حسن بن صباح

جس میں

فرقۂ باطنیہ کے مفصّل حالات اور جنت ارضی کے

سوانحات نہایت وضاحت و بسط سے لکھے گئے ہیں

مصنفہ

جناب مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی مصنف حسن انجلینا

ملک العزیز ورجنا، منصور موہنا، ورگیش نندنی وغیرہ وغیرہ

باہتمام لالہ کنہیا لال مالک مطبع

کنہیا لال اسٹیم پریس آگرہ میں طبع ہوا

حسن بن صباح

ست خان عالی نے اورنگ زیب کے دونوں بیٹوں کی لڑائی تمہید میں اس ام
ب خوب مثالیں دی ہیں کہ ایک ہی جگہ سے دو چیزیں نکل کر کیسی کیسی مختلف
ن کا نمونہ بنتی ہیں ایک سیپ سے دو موتی نکلتے ہیں۔ ایک تاج شاہی کو
دیتا ہے اور دوسرا کہرل میں پیکر سر بنتا ہے ایک شاخ پر دو پھول کھلتے ہیں
سی خوبرو کے سینے پر پہنچتا ہے اور دوسرا بادِ مخالف سے مرجھا کے گرتا ہے
نے جانے والے اسے پامال کرتے ہیں۔ ایک رحم سے دو بھائی نکلتے ہیں
لم و تحقیق کے ملاء اعلیٰ پر پہنچتا ہے اور دوسرا جہل و ذلالت کے قعر میں
ہے۔

دنیا میں ایسی عبرت انگیز مثالیں بہت ہیں۔ مگر یہ شخص جسکا نام ہم نے عنوان
قائم کیا ہے۔ شاید سب سے زیادہ حیرت انگیز اور دل میں ایک خاص قسم کا جوش
نے والی مثال ہے۔ یہ پانچویں صدی ہجری کی ابتدا کا زمانہ ہے کہ امام موفق الن
ن فارس میں مرکزِ علم بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے حلقہ درس میں دور دور سے
آ کے شریک ہوتے اور دولت علم سے بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ انہیں طلباء میں
عجمی الاصل شخص تھے۔ جن میں سے دو کا نام حسن اور تیسرے کا نام عمر تھا۔ ان
ہم بہت ربط و ضبط تھا۔ اور اسقدر دوستی تھی کہ ہر ایک دوسرے کی ہمدردی
ت روائی کے لئے تیار رہتا تھا۔ ان تینوں نے جن میں سے ہر ایک آئندہ

مدارج زندگی میں ایک نامور اور نہ مٹنے والی مثال ہونے والا تھا۔ ایکدن بیٹھ کر آپس میں معاہدہ کیا کہ ہم تینوں میں سے جو جس کو کامیاب و بامراد کرے اور دولتمند اور جاہ و حشم کے درجے پر پہنچائے۔ اُس کا فرض ہوگا کہ باقی دونوں دوستوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے۔ اس عہد کو سب نے جوش و خروش سے قبول کیا۔ اور مضبوط عہد و پیمان اور قول و قسم سے اس معاہدہ کی تکمیل ہوئی

چند روز بعد اپنی تعلیم پوری کر کے یہ تینوں طالبعلم مدرسے سے نکل گئے، اور ہر شخص دنیا کے وسیع میدان میں قسمت آزمائی کرتا ہوا چلا۔ دونوں جنہوں میں سے ایک تھوڑے ہی زمانے میں دربار سلجوقی تک پہنچا۔ اس دربار نے بڑی قدردانی سے کام لیا۔ وزیر اعظم بنا کے ایک عظیم الشان سلطنت کی باگ اُس کے ہاتھ میں دے دی اور ایک معزز خطاب دے کے اِسے نظام الملک طوسی کے نام سے دنیا میں چمکایا یہی وہ نظام الملک ہے جسکی خوبیوں کا زمانہ ہمیشہ معترف رہے گا۔ اور جس کے فیض و کرم کا ایک نمونہ مدرسۂ نظامیۂ بغداد تھا دوسرے طالب علم عمر کو دنیاوی ثروت تو نہیں حاصل ہوئی۔ مگر عمر خیام کے لقب سے زمانہ میں ایک زبردست مہندس ایک عالی دماغ فلسفی اور ایک فلسفیانہ شاعر مشہور ہوا جسکی رباعیات آج تک ہر صاحب ذوق کے ہاتھ میں ہیں جس کا درست کیا ہوا حساب شمسی آج تک پارسیوں کا دینی مسئلہ ہے جس کے خیالات آج یورپ کے ایک خاص گروہ کا فلسفہ ہیں۔ اور جس کے نام نے لندن میں فی الحال ایک عام کلب جاری کرایا ہے۔ تیسرا طالب علم یعنی نظام الملک کا ہمنام حسن وہ حسن بن صباح ہے جس کی ہم اسوقت لائف لکھنا چاہتے ہیں۔ اور جس کو مسلمان وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ اس کا نمبر دونوں ہمسبقوں سے بڑھا ہوا ہے۔ خود نظام الملک حسن بن صبّاح کی طبیعت سے واقف تھا۔

ور کہا کرتا تھا۔ کہ عنقریب یہ شخص ضعیف الاعتقاد دل اور عوام کے لوگوں کو بہکا کے بہت خراب کریگا۔

نتیجہ ہی میں ایک اور دلچسپ واقعہ کے بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ تیسری یعنی فرامشن لوگوں کی) سوسائٹی مسلمانوں کو بالکل ایک نئی چیز معلوم ہوتی ہے۔ موجودہ فریمشن اپنے اصول کی بنیاد کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت اس وقت تک ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ لیکن بڑی حیرت کی یہ بات ہے کہ سب سے پہلے اسی قسم کی ایک عظیم الشان سوسائٹی اسلام کے فرقہ اسماعیلیہ میں قایم ہوئی تھی جس کا بانی مذہب اسماعیلیہ تھا۔ اور خلفاے فاطمیین مصر سرپرست تھے۔

اسماعیلی مذہب چونکہ اندرونی سازشوں اور رازداری کے طریقے سے قایم ہوا تھا لہذا اس کے پیرو کار اپنے رموز کو صرف اسی شخص پر ظاہر کیا کرتے تھے۔ جو ان کا ہم عقیدہ ہو اور ان کی سوسائٹی میں شریک ہو جائے۔ اسی مذہب پر رازداری کی ضرورت سے سب کے پہلے ایک بہت بڑا لاج (فرامشن خانہ) افریقہ کے شہر قیروان میں قایم ہوا۔ اور چند روز بعد جب مصر کا شہر قاہرہ فاطمیون کا دارالخلافت قرار پایا ہے۔ تو وہ لاج بھی قیروان سے منتقل ہو کے قاہرہ میں آگیا۔ اس لاج کے پریسیڈنٹ کا لقب "داعی الدرجات" ہوتا تھا۔ جو فریمینوں کے گرینڈ ماسٹر کا قایم مقام تھا۔ مگر اس گرینڈ ماسٹر کے اقتدارات بہت زیادہ وسیع تھے۔ اس لاج میں ہر ہفتے میں دو مجلسیں ہوتی تھیں۔ جن میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے تھے جو اپنے درجے کے لحاظ سے مجاز ہوں۔ ان جلسوں میں پوری رازداری سے کام لیا جاتا تھا اور مجلسوں میں داعی الدرجات بادشاہ یا خلیفہ کو اپنے رموز کے متعلق لکچر دیا کرتا تھا۔ علامہ مقریزی کا بیان ہے۔ کہ اس لاج کے پہلے

سات ہی درجے ڈگریاں تھیں - مگر قاہرہ میں آنے کے بعد نو ڈگریاں ہو گئیں - جن کو حاصل کر کے لوگ اپنے مدارج میں ترقی کرتے - پہلی ڈگری یہ تھی کہ نئے شریک جلسہ کے سامنے قرآنی مذہب کی دشواریاں اور دین اسلام کے متعلق مختلف قسم کے شبہات و شکوک پیش کئے جاتے تھے اور اس ذریعے سے کہ نئے مرید کے دل میں اصلی رموز کے حل کرنے - اُن دشواریوں کے مٹانے اور شبہات کے دور کرنے کا بے تابانہ شوق پیدا ہو - تب چند معمولی اصول مذہب اسماعیلیہ اُس پر ظاہر کئے جاتے - اور اُس سے عہد لیا جاتا کہ اپنے معلم یا داعی کی ہر بات کو بے عذر اور بغیر کسی حجت و تکرار کے تسلیم کرے گا -

دوسری ڈگری میں مسئلہ امامت حل کیا جاتا - اور وہ رموز ربانی بتائے جاتے جو امامت سے وابستہ ہیں - تیسری ڈگری میں مذہب اسماعیلی کے خاص عقائد بتائے جاتے - اور اس امر کی تعلیم ہوتی کہ اماموں کا شمار سات ہے اور اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام سب سے بڑے امام تھے - چوتھی ڈگری میں یہ بہت بڑا اور اہم راز بتایا جاتا کہ ابتدائے تخلیق عالم سے اُس وقت تک صرف سات ناموس الٰہی یعنی صاحب شریعت پیغمبر ظاہر ہوئے ہیں - ان میں سے ہر ایک نے سابق پیغمبر کی شریعت میں ضروری ترمیم کی - اِن ساتوں پیغمبروں نے معجزنما قوت پائی تھی - اس لئے انھوں نے زور شور سے اور علی رؤس الاشہاد احکام ربانی ظاہر کر دیئے - اِن میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک خاموش پیغمبر بھی تھا - جس کا فرض یہ تھا - کہ بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے اپنے ساتھ والے گویا پیغمبر کی شریعت کو مضبوط کرے وہ سات ناموس الٰہی یہ تھے -

آدم - نوح - ابراہیم - موسیٰ - مسیح - اور محمد صلعم علیہ الصلواۃ والسلام اور اسماعیل بن جعفر صادق - اور ان کے ساتھ والے خاموش پیغمبر یہ تھے

شیث ۔ سام ۔ اسمٰعیل ۔ ہارون ۔ شمعون (جس سے بطرس حواری مراد ہے)
علی ابن ابیطالب ۔ اور محمد بن اسمٰعیل بن جعفر صادق رضہ۔

پانچویں ڈگری کی یہ تعلیم تھی کہ خاموش پیغمبر نے ترویج دین کے لئے اپنی طرف سے بارہ داعی مقرر کئے تھے ۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا جاتا تھا ۔ کہ برکت و فضیلت کے لحاظ سے سات کا عدد بارہ کے عدد سے بڑھا ہوا ہے ۔ یہ پانچ نیچے کی ڈگریاں تھیں جن کی تعلیم میں عقاید اسمٰعیلیہ بتانے کے ساتھ زیادہ کوشش اس امر کی جاتی تھی کہ مرید کے دل میں اپنے نقیبوں اور داعیوں یعنی معلموں کی بہت زیادہ وقعت پیدا ہو جائے اور وہ آنکھیں بند کر کے ہر امر میں تقلید کرنے لگیں ۔ اوپر کی ڈگریوں میں زیادہ اہم رموز بتائے جاتے ۔

چھٹی ڈگری میں یہ اصول ذہن نشین کیا جاتا کہ احکام شرعی فلسفہ اور عقل کے تابع ہیں یعنی شرع فلسفہ پر حاکم نہیں ۔ بلکہ فلسفہ شرع پر حاکم ہے ۔

ساتویں ڈگری میں اصوات کے رموز اور ان کے قایم مقام حرفوں کی قوت بتائی جاتی تھی یا یوں کہنا چاہیئے ۔ کہ علم جفر کی تعلیم ہوتی تھی جس میں اصوات و حروف کی قوت سے بڑا کام لیا گیا ہے ۔ اس فن کو وہ ایک بہت بڑا رمز ربانی تصور کرتے تھے ۔

آٹھویں ڈگری میں حرکات و افعال انسانی کا باہمی اتحاد بتایا جاتا اور نویں ڈگری میں یہ آخری سبق ملتا کہ یقین کسی چیز کا نہ کرنا چاہیئے ۔ اور جرأت ہر امر میں اور ہر کام کے لئے ضروری ہے ۔

الغرض جس زمانہ کا ذکر ہم پیشتر کی تمہیدی اوراق میں بیان کر آئے ہیں ۔ ان دنوں مصر میں یہ بڑا اسمٰعیلی لاج قایم تھا ۔ اور اپنے نقیبوں اور داعیوں کو ترویج مذہب اسمٰعیلیہ کے لئے اطراف عالم میں پھیلا رہا تھا ۔ یہ داعی بلاد دور دراز

مین جاکر چپکے ہی چپکے لوگون پر اپنا اثر ڈالتے تھے۔ اور اسماعیلیون کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اسی نازک زمانے مین حسن بن صباح پیدا ہوا۔ اور اسی دور مین اُس کا نشو ونما ہوا۔

وہ چوتھی صدی ہجری کی ابتدائی مین اضلاع خراسان کے طوس مین پیدا ہوا تھا۔ باپ ایک معمولی شخص تھا۔ اور کسی قدر عشرت سے زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر اپنے نسب کا بڑا دعویدار تھا۔ اور کسی قدیم عربی نژاد نامور صبّاح حمیری سے اپنے سلسلے کو ملاتا تھا۔ اپنے مذہب کے متعلق حسن خود کہتا تھا۔ کہ مین اپنے آبا و اجداد کی طرح مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا پابند تھا اور سات ہی برس کی عمر تھی۔ کہ مذہبی تحقیق اور اصلاح خیالات کی طرف متوجہ ہوگیا۔ مگر دوسرے لوگون کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن کا باپ مذہب اہل سنت کا پابند تھا۔ مگر اس مین شک نہین کہ حسن بچپن ہی سے اپنے آپ کو محبان اہلبیت مین شامل کرتا تھا۔ خود اس کے باپ نے حسن کو امام موفق الدین کے حلقہ درس مین بٹھایا۔ اور کوشش کی کہ اُسے عام ملکی مذہب کا پابند بنائے۔ اور کیا عجب کہ موفق الدین نے اسکی کوشش بھی کی ہو۔ مگر کچھ بھی کارگر نہ ہوئی۔ اس لئے کہ حسن دل سے مذہب شیعہ ہی کو مذہب حق سمجھتا رہا۔ مدرسے مین ہم مکتبون سے معاہدہ کرکے جب باہر نکلا تو مختلف مقامات مین پھرتا رہا۔ مگر کسی جگہ کامیابی نہ ہوئی اور نہ کوئی ایسا مشغلہ ہاتھ لگا جو اسکی بلند ہمتی کے مناسب ہو۔ غریب الوطنی مین پھر ہی رہا تھا۔ کہ اپنے ہم مکتب نظام الملک کو خلافت وزارت سے آراستہ سنا۔ فوراً اُس کے سلطنہ کو روانہ ہوا۔ اور پہنچتے ہی ایفاء وعدہ کی درخواست کی۔ نظام الملک نہایت ہی نیک نفس اور پاک طینت لوگون مین تھا۔ اُس نے حسن کو اپنے پاس بٹھایا اور بادشاہ سے ملا کے فوراً ایک بہت بڑے اور اپنے برابر کے عہدے پر ممتاز کرا دیا۔

مگر افسوس کہ حسن جن خیالات کا آدمی تھا۔ اُن کی تکمیل نظام الملک کے با اختیار رہنے
میں کسی طرح نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے لئے تو ایسے اختیارات چاہیئے تھے۔ جن
میں اور کسی کی شرکت ہی نہ ہو۔ اور شاید اسی وجہ سے وہ خود اپنے محسن الملک کے
گرانے کے درپے ہو گیا۔

ایک دن ملک شاہ نے نظام الملک سے پوچھا کہ تم ایسی ایک مکمل رپورٹ
کتنے دنوں میں تیار کر سکتے ہو جس سے تمام قلمرو کے محاصل و مخارج کی تفصیلی حالت
معلوم ہو جائے۔ یہ عظیم الشان سلطنت تھی جس کے حدود روم و مصر سے لے کے خراسان
تک پھیلے ہوئے تھے۔ اور اس زمانے میں جبکہ دفاتر آج کل کے سے صاف اور
مرتب نہ تھے۔ ایک فہرست کا بنا لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ انہیں دشواریوں کا
خیال کر کے نظام الملک نے کہا۔ "دو سال میں"۔ لیکن حسن بن صباح نے جو اس وقت
حاضر دربار تھا۔ اور سارے واقعہ کو آنکھ سے دیکھ چکا تھا۔ بڑھ کے کہا۔ مگر میں ایسی فہرست
صرف چالیس دن میں تیار کر سکتا ہوں۔ ملک شاہ کو تعجب ہوا۔ اور نظام الملک
خاموش رہ گیا۔ امتحاناً بادشاہ نے یہ خدمت حسن کے سپرد کر دی۔ ۴۰ دن گذر
گئے۔ اور حسن اپنی رپورٹ لے کے حاضر دربار ہوا۔ اور وہ بادشاہ کے سامنے
پیش ہو گئی۔ نظام الملک بھی ایک کونے میں کھڑا ڈر رہا ہے کہ دیکھئے میرا کیا حشر
ہوتا ہے۔ اگر یہ رپورٹ پسند آ گئی تو میرا پتہ بھی نہ لگے گا۔ ملک شاہ نے رپورٹ
کو دیکھ بھال کے بعض جزئیات کو حسن سے پوچھنا شروع کیا۔ اور ایسے سوالات
کئے کہ حسن سکوت کر کے رہ گیا۔ اور بالکل جواب نہ دے سکا۔ نظام الملک کے لئے
اس سے زیادہ کیا موقع ہو سکتا تھا۔ بڑھ کے دست بستہ عرض کیا۔ "انہیں مشکلات
کے خیال سے جن لوگوں کو خدا نے عقل دی ہے کافی زمانہ لگاتے ہیں۔ تاکہ اس معاملے
کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں۔ اور کسی امر سے نا واقف نہ رہیں۔" ملک شاہ حسن کے

البرکرکو پہلے ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھ چکا تھا۔ اب اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی اور سخت برہم ہوا اور ارادہ کیا کہ حسن کو سزا دے مگر سفارش سے یا خود ہی ترس کھا کے اتنے ہی پر کفایت کی دربار سے نکلوا دیا۔

حقیقت میں یہ پہلی ناکامی ہے جس کے لئے ذریعہ کامیابی ہوئی۔ نہ اس کا مزاج اور اس کا حوصلہ جس میدان کو ڈھونڈھ رہا تھا۔ اسکو بہت ہی زیادہ وسیع ہونا چاہئے تھا جس جگہ کسی کی ماتحتی اور کسی قسم کے قیود ہوں۔ وہاں کی آب وہوا میں حسن کے سے آزاد خیال شخص کو ناکامی و رکنار ہجان کا بھی اندیشہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسے لایق اور قابل شخص کا آزادی سے چھوڑ دیا جانا بھی نہایت اندیشہ ناک امر تھا۔ اور خصوصی اس زمانے میں جبکہ مختلف خیالات اور مختلف دعویداروں خصوص قاہرہ کے زبردست للاح کے نقیب اور داعی ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے اور حکومت اسلام کے دامن میں صدہا سازشیں رازداری اور خفیہ کارروائیوں کی ہو رہی تھیں اکثر ملنے جلنے والوں کا ظاہری مذہب کچھ اور ہوتا اور حقیقی مذہب کچھ اور۔

اس قسم کی دعوت کرنیوالوں یا آجکل کی اصطلاح میں کہا جا سکے گا کہ مشنریوں کی ابتدا اسلام میں بنی امیہ دمشق کے آخری عہد سے پڑی تھی۔ جب کوئی ظاہری قوت بنی امیہ کا زور نہ توڑ سکتی تو بنی ہاشم نے یہ کوشش شروع کی کہ اپنے معتقدوں اور طرفداروں کو داعی اور نقیب کے لقب سے دنیا میں پھیلانا شروع کیا۔ جو ہر جگہہ جاتے تھے بظاہر تو سلطنت کی اطاعت کرتے اور باطن میں لوگوں سے بنی ہاشم کے لئے بیعت لیتے۔ اس قسم کے ہزارہا داعی اور نقیب خراسان سے شام تک پھیل گئے۔ جنہوں نے اندر ہی اندر بقول ہمارے مفتون کے ایک بھک سے اڑ جانے والا مادہ پھیلا رکھا تھا۔ کہ اس میں ایک ذرا سی چنگاری کے پڑتے ہی

ایسا بڑا زبردست زلزلہ آیا جس نے بنی امیّہ کی سلطنت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا
اب بنی عباس کی حکومت کے زمانے میں بنی فاطمہ دعوائے مخالفت تھا۔ جو ان کے
زیر کرنے اور خلافت کو اپنے ہاتھ میں لانے کے لئے انتہا سے زیادہ بے چین تھے
اور خرابی یہ تھی۔ کہ ان میں بھی باہم اتفاق نہ تھا۔ مختلف سرآوردگان بنی فاطمہ
مختلف مقامات میں دعویٰ دار امامت و خلافت تھے۔ قاعدے کی بات ہے
کہ جہاں کوئی تدبیر ایک دفعہ کامیاب ہو جاتی ہے۔ پھر سب لوگ اسی پر عمل کرنا
شروع کر دیتے ہیں لہذا سب نے اپنے اپنے داعی مقرر کر کے پھیلا دئے۔ بنی فاطمہ اگر
سب مل کے کسی خاص شخص یا ایک امام کے لئے کوشش کرتے تو ممکن نہ تھا۔ کہ
کامیابی نہ ہوتی۔ مگر چونکہ باہم اختلافات تھا اور ایک نقیب و داعی دوسرے کو برا
اور باطل بتاتے تھے۔ لہذا ہمیشہ یہ ہوا کہ ایک کی کوشش نے دوسرے کو توڑا اور
بنی عباس کے مقابلہ میں کبھی کوئی ایسی مجموعی قوت نہیں قائم ہونے پائی جیسی کہ
بنی امیہ کے خلاف قائم ہو گئی تھی۔

خیر کامیابی و ناکامیابی سے تو بحث نہیں۔ مگر یہ ضرور تھا۔ کہ ہر جگہ انہیں بزرگوں
اور اماموں یا ان کے طرفداروں کے نقیب پھیلے ہوئے تھے اور ہر شخص کو
اپنے امام کا مرید و معتقد بناتے رہتے تھے۔ خصوصاً اسماعیلیہ مصر کے نقیب اور داعی
گو بظاہر بنی عباس کی اطاعت کرتے مگر باطن میں شام سے لے کے خراسان تک
ہر جگہ اثنا عشری پھیلا رہے تھے۔ ایسی حالت میں کسی شخص کا بے سرو پا چھوڑ دیا
جانا ویسا ہی تھا۔ جیسا کہ آج کل کسی بے روزگار آوارہ گرد کے لئے ڈر ہے۔ کہ
جلاوطن کرنے والی کمپنیاں کسی ٹاپو میں نہ پہنچا دیں۔ یا عیسائی مشنری کچھ لالچ
دلا کے کرسچین نہ بنا لیں۔

ملک شام کے دیار سے نکل کے حسن بن صباح اصفہان پہنچا۔ اور وہاں کے

رئیس اور مجسٹریٹ ابوالفضل کا مہمان ہوا۔ ابوالفضل نے بڑی خاطر مدارات کی۔ مگر ایک دن حسن کی زبان سے یہ جملے نکلے کہ وہ اگر دو تین باتیں سچے دوست سے مل جائیں۔ تو سلجوقی قوت کو توڑ دوں۔" سمجھا کہ نیا مہمان شاید دیوانہ ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اپنی اس حالت میں و حیثیت کے ساتھ اس زبردست سلطنت کے مٹانے کا دعویدار ہے۔ جو شہر حلب سے کاشغر تک پھیلی ہوئی ہے۔ ابوالفضل کو حسن کی دیوانگی کا یہاں تک یقین تھا۔ کہ ایک طبیب کو بلا کے اس کا علاج شروع کر دیا۔

چند روز بعد ان نادان تیمارداروں سے پیچھا چھڑا کے حسن بن صباح آوارہ گردی کرتا ہوا چلا۔ اور ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا اور آخر وہی ہوا جس کا پہلے اندیشہ ظاہر کیا تھا یعنی اسے ایک رفیق ملا جس سے انتہا سے زیادہ دوستی بڑھا سکے اور خلوص پیدا کر کے ظاہر کیا۔ کہ مذہب اسماعیلیہ سے بہتر کوئی مذہب نہیں اور خلفائے مصر ہی وہ اصلی اور حقیقی امام ہیں۔ جنکی پیروی ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حسن کو ایک فلسفیانہ کا اور آزاد مشرب آدمی پا کے اس نے اپنی دعوت کو اس طریقے سے شروع کیا کہ طریقہ اسماعیلیہ بالکل فلسفیانہ مذہب ہے۔ حسن نے اتنی کمزوری نہیں دکھائی کہ اس اسماعیلی دوست کی ہر بات کو تسلیم کر لے بلکہ طالبانہ طریقے سے بحث کرنے لگا۔ اور دونوں دوستوں میں شب و روز انہیں مسائل وعقائد پر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ حسن اگرچہ آخر تک اس دوست سے جھگڑتا ہے۔ مگر دل ہی دل میں معترف ہوتا جاتا تھا۔ اور چاہے زبان سے نہ اقرار کرے۔ مگر دل میں قائل ہو گیا تھا۔ اس رفیق سے جدا ہونے کے بعد حسن بیمار پڑ گیا اور ایسا بیمار ہوا کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی۔ بچھونے پر پڑا موت کا انتظار کیا کرتا تھا۔ اس حالت میں گزشتہ واقعات اسکی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے اسماعیلی دوست کے دلائل بار بار اسے یاد آتے تھے۔ اور دل میں کہتا تھا

بیشک مذہب اسماعیلیہ برحق ہے - اور خدا نخواستہ مین کہین یونہین مرگیا تو باطل پر مرونگا اور حق کے اختیار کرنے سے محروم رہ جاؤنگا" الغرض اس بیماری نے اسے ایسا کردیا تھا کہ اب جو شفا پاکے اوٹھا تو خود ہی کسی داعی اسماعیلیہ کی جستجو کرنے لگا -

تھوڑے ہی زمانے کی جستجو مین ابو نجم سراج نام ایک اور اسماعیلی شخص سے ملا اور اوس سے دوبارہ عقائد اسماعیلیہ کو دریافت کیا - اور ان پر غور کرکے دل ہی دل مین معترف ہوگیا کہ یہ باتین جھوٹی اور باطل نہین ہوسکتین - حسن کے دل سے ہر عقیدے اور ہر مسئلہ کی فلاسفی خود ہی دریافت کرلی - اب صرف اتنا ہی باقی رہ گیا کہ وہ علانیہ اس مذہب کا اعتراف کرے جس کی وہ تیاریان کر ہی رہا تھا - کہ مومن نام ایک اور اسماعیلی شخص سے ملاقات ہوئی جس کو داعی ہونے کی عزت حاصل تھی - اس کو داعی عراق شیخ عبدالملک بن عطاش نے اپنے اسماعیلی لاج کی دعوت اور اسماعیلیت کا مشتری بننے کی سند و اجازت دی تھی - اس شخص سے ملتے ہی حسن نے کہا "زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہین - مجھے آپ بلا تامل اپنے گروہ حق مین داخل کرلیجیے بس یہی وقت ہے جب سے حسن بن صباح مام اصول شیعیت کو چھوڑ کے مذہب اسماعیلیہ مین شامل ہوا - یہ طریقہ اختیار کئے ابھی اسے زیادہ زمانہ نہین گذرا تھا کہ خود شیخ عبدالملک داعی عراق مین کرتے ہوئے آئے - جہان حسن ان کی صحبت مین پہنچا - اور اس کے چال چلن - اس کی ذہانت و دانائی - اس کی مستعدی سرگرمی کو دیکھ کے اونھون نے اسے بھی دعوت اسماعیلیہ اور مذہب حق کا مشتری بننے کی اجازت دے دی - اور کہا کہ "گو مین نے تم کو اجازت دے دی ہے - مگر مناسب ہوگا کہ تم مصر مین جاکے امام زمانہ خلیفہ المستنصر باللہ کی زیارت سے بھی شرف یاب ہولو" اس نصیحت و ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ شیخ تو ادھر عراق واپس جاتے ہی حسن نے

سفر کی تیاریاں کردیں۔

اتنے ہی دنوں میں حسن کی لیاقت و ہوشیاری کی اسماعیلیہ مذہب والوں میں اس قدر شہرت ہو چکی تھی۔ کہ مصر میں اُس سے پہلے اس کا نام پہنچ چکا تھا۔ اور اسکی تعریفیں ہو رہی تھیں۔ المستنصر باللہ نہایت ہی اخلاق اور مروت سے ملا۔ بڑی قدردانی کی۔ نہایت ہی معزز حیثیت سے اپنا مہمان بنایا۔ لیکن خلیفہ یا امام کی توجہ و التفات ہی نے حسن سے دشمنی بھی کی۔ اس لئے کہ دیگر مقربین بارگاہ امامت کو حسد معلوم ہوا۔ جن سے بدر جمالی جو عساکر خلافت کا کمانڈر انچیف تھا وہ تو جان ہی لینے پر آمادہ ہو گیا۔ آخر ایک دن موقع پا کر حسن کو چند افریقیوں کے ساتھ ایک جہاز پر ڈلوا دیا جو اسی وقت روانہ ہو کے ساحل افریقہ کو جانے والا تھا۔ حسن کا کوئی زور نہ چلا۔ اور موجیں اسی سمندر میں کھا ئی گئیں۔ بد قسمتی یا خوش نصیبی سے سمندر میں ایک سخت طوفان آ گیا جس نے جہاز کو اسقدر صدمہ پہنچایا کہ کسی کو بھی زندگی کی امید باقی نہ رہی تھی۔ حسن کی کامیابیوں کی ابتدا اکثر ناکامیوں اور بدقسمتیوں سے ہوتی رہی تھی۔ یہ طوفان بھی اس کے لئے ایک بڑا ذریعہ ترقی ہو گیا۔ جبکہ سب جہاز والے زندگی سے نا امید مایوسی کے ساتھ ڈوبنے کا انتظار کر رہے تھے۔ حسن کے ہوش و حواس بجا تھے۔ اوسکا دل اوس کے قابو میں تھا۔ اور وہ اطمینان کے ساتھ ایک نئی تدبیر سوچ رہا تھا اس نے طوفان پر ذرا بھی ہراس ظاہر نہ کیا۔ اور لوگوں سے معجز بیانی کی شان اور خدارسی کی آن بان سے کہا "مگر میرے نزدیک تو اندیشہ کی کوئی بات نہیں خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ ہم نہ ڈوبیں گے" لوگوں نے حیرت سے اسکی صورت دیکھی اور کیا عجب بعض اس بیفکری پر اوسوقت ہنس بھی پڑے ہوں مگر تھوڑی دیر کے بعد جب طوفان جاتا رہا اور پانی میں سکون ہو گیا تو سب دوڑ دوڑ کے اُس کے قدموں پر گر پڑے اُس کے خاص اور مقبول بندۂ خدا اور ایک بڑے زبردست ولی ہونے پر ایمان لے آئے اور سب نے دعوت اسماعیلیہ

قبول کر لی۔ حسن کے مخالفوں کے ساتھ آجکل کے مورخوں کا بھی خیال ہے۔ کہ حسن نے یہ سمجھ کے پیشین گوئی کی تھی کہ اگر جہاز غرق ہو گیا۔ تو تکذیب کرنے والا دنیا میں باقی ہی نہ رہیگا۔ اور اگر بچ گئی تو پھر کسی کو میری ولایت میں شک نہیں رہیگا۔ بہرحال جو کچھ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اور جہاز میں کوئی نہ تھا جو اُس کا معتقد و معترف نہ ہو۔

چند روز کے بعد جہاز ایک ساحل پر پہونچا جہاں کا فرمانروا عیسائی تھا اُس نے جہاز والوں کو سپاہی نہیں بلکہ ایک راہبانہ گروہ کے ہاتھ میں دیکھ کے شیخ حسن صبّاح کی دعوت کی اور بلطف و مہربانی رخصت کیا۔ یہاں سے چلکے چند ہی دنوں میں جہاز سواحل شام سے آلگا۔ یہاں پہنچتے ہی حسن نے جہاز کو چھوڑ دیا۔ اور خشکی ہی خشکی ایران کی راہ لی۔ اس سفر میں حلب۔ بغداد۔ خراسان۔ اصفہان۔ یزد و کرمان غرض ایشیا کوچک اور ایران کے تمام مشہور بلاد و امصار میں گیا۔ اور ہر جگہ مذہب اسماعیلیہ کی منادی کرتا رہا۔ کرمان سے وہ پھر اصفہان میں واپس آیا جہاں چار مہینے ٹھہر کے خوزستان گیا۔ یہاں تین مہینے قیام کر کے دامغان کی راہ لی۔ وہاں تین سال تک دین اسماعیلیہ پھیلاتا رہا۔ اور بہت سے لوگ اپنے معتقد بنا لئے۔ اس کے بعد پھر اور بہت سے مقامات میں پھرتا پھراتا قلعہ التمونت میں پہونچا۔ اور وہاں قیام کر دیا۔

التمونت شہر قزوین کے علاقہ میں صوبہ رودبار کا ایک قلعہ تھا جس سے اُس کے مضافات کے لوگ طالقان کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ قلعہ پہاڑوں کے اندر نہایت بلندی پر اور سخت سخت پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ سلاطین دیلم میں سے ایک بادشاہ کو شکار کا بیحد شوق تھا۔ اتفاقاً وہ ایک مرتبہ شکار کھیلتا ہوا اس دشوار گذار مقام کے نیچے آ پہونچا۔ وہاں سے باز کو چھوڑا یا تو وہ شکار مارنے کے بعد اس قلعہ کے مقام پر آ گرا۔ بادشاہ اور ہمراہی دوڑتے ہوئے گئے۔ اور

یہان پہنچ گئے۔ دیکھا تو ایک عجیب محفوظ اور دلچسپ تختہ نظر آیا -
جس سے زیادہ مضبوط قلعہ کسی جگہ نہین بن سکتا - پس اسی وجہ سے اُس نے
یہان ایک عالیشان قصر قلعہ کی شان سے تعمیر کرایا اور اس کا نام "الموت"
رکھا - دیلمیون کی اصطلاح مین یہ ایک خاص کلمہ تھا جس پر شکاری طیور سدھائے
جاتے تھے چونکہ اسی کلمہ کو چلا چلا کے کہتے ہوئے لوگ یہان پہونچے تھے - لہذا
یہی نام رکھ دیا - جو چند روز کے بعد الموت ہو گیا -

حسن بن صباح نے یہان چند روز رہ کے اور بہت سے لوگون کو اپنا
مرید بنا کے یہان کے تعلقدار اور مالک سے ملاقات کی جس کا نام مہدی تھا -
اور ایک فاطمی شخص تھا - چونکہ یہ بھی اسکا معتقد تھا - لہذا نہایت ہی ادب
سے اور حسن عقیدت سے دست بوسی کی - حسن نے کہا " یہ جگہ ایسی کنج مین
اور ایسی محفوظ گھاٹی مین واقع ہوئی ہے کہ ساری دنیا سے علیحدہ
ہے اور ہم عزلت گزینون کے مذاق کے بہت موافق ہے - مین چاہتا ہون
کہ اتنی زمین جتنی کے ایک چرسے کے اندر آجائے مجھے مرحمت ہو - اس کی
قیمت مین مین تین ہزار روپئے کو موجود ہون " یہ کہہ کے اس نے روپیون
کی تھیلی مہدی کے سامنے رکھ دی - مہدی نے یہ ظاہر نفع دینے والی
تجارت دیکھی اور ایک بزرگ کے قلعے مین رکھنے مین کوئی مضائقہ
بھی نہ نظر آیا - روپیہ لے لیا - اور اپنی منظوری سے شرائط بیع پوری
کر دی - لیکن جب اُس نے دیکھا کہ حسن نے ایک بیل کی کھال کی مہین
مہین دھجیان کاٹ کر ایک مین جوڑی اور اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ سارا قلعہ
اُس کے اندر آگیا - تو بہت گھبرایا - مگر کیا کر سکتا تھا - کیونکہ بیع پوری
ہو چکی تھی - حسن کے مریدون کے ساتھ تمام خوش عقیدہ مسلمان

ایک دولتمند شخص کے مقابلہ میں ایک خدا شناس اور نیک نفس زاہد کی
تائید ضروری سمجھتے تھے۔ الغرض اس طریقہ سے قلعہ الموت حسن کے
ہاتھ میں آیا۔

بعض دیگر اور معتبر مورخین کا بیان ہے کہ حسن نے اس قلعہ پر یوں نہیں
بلکہ ایک اور طریقہ سے قبضہ کیا۔ وہ یہ کہ خود مہدی فاطمی اور تمام اہل الموت جب
اوس کے معتقد ہو گئے اور حسن کو یقین ہو گیا کہ اب اس کے حکم سے کوئی سرتابی
نہ کرے گا تو ایک دن قلعہ پر چڑھا چلا گیا۔ اور مہدی کے سامنے جا کے کہا کہ نکلو
اور یہ قلعہ خالی کر دو۔ مہدی محض ایک مذاق خیال کر کے ہنسنے لگا۔ مگر جب وہ اپنی
جگہ سے نہ اوٹھا۔ تو حسن نے لوگوں کو اشارا کر کے کہا کہ مہدی کو نکال دیں۔
اس اشارے کے ساتھ ہی سب نے اوسے قلعہ سے نکال کے دامغان میں پہونچا دیا
اور اس کے مال و اسباب کو بھی اوس کے پاس بھجوا دیا۔ پھر قلعہ پر حسن قرار پا گیا اور
ساری کارروائیوں کا صدر مقام یہی تھا۔

حسن اب اس قلعہ میں بیٹھ کے بڑے استقلال اور لیاقت اور جفاکشی سے
اپنے مذہب کو دنیا میں پھیلانے لگا۔ اوس نے اگرچہ آخر تک آپ کو فاطمیین مصر
کا معتقد اور طرفدار ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حقیقت میں وہ برائے نام
اور پالیسی ہی کی غرض سے ان کا وفادار تھا۔ عقائد اسماعیلیہ میں اوس نے کچھ ترمیم
کی۔ مصر کی نوکریاں تھیں اوس نے ساتھ ہی رکھیں۔ اصل میں وہ ایک
نئے مذہب کو پھیلا رہا تھا جس کا بانی یا مجتہد جو کچھ کہیے وہ خود ہی تھا۔ حسن کے
مرید علاقہ رودبار قزوین میں روز افزوں بڑھنے اور پھیلنے لگے۔ مذہبی تبلیغ
اور دینداری کے لباس میں چھپے ہی چھپے اسماعیلیوں نے سارے
رودبار کی حکومت بھی اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دی۔ مختلف

جگہ اس کے عالی حوصلہ معتقدون نے قلعے بنائے اور خاص
قلعہ الموت کے گرد بڑے بڑے عالیشان محل اور باغ تعمیر ہو گئے الغرض
یہان تک نوبت پہنچی کہ گرد و جوار کے حکمران ڈرنے لگے کہ حسن بن صباح کہین سارے
ایران پر متصرف نہ ہو جاوے -

جب یہ خبر نظام الملک اور ملک شاہ کو پہنچی تو فوراً فوج کشی کا
سامان کیا گیا اور ارادہ ہوا کہ حسن بن صباح کا بالکل قلع قمع کر دیا جاوے
تھوڑے ہی دنون مین نظام الملک کی بھیجی ہوئی فوجون نے قلعہ الموت
کا محاصرہ کر لیا - حسن کو اس کا تو ذرا بھی اندیشہ نہ تھا کہ اس
مضبوط قلعے کو کوئی فتح کر سکے گا - مگر دشواری یہ ہوئی کہ قلعہ والون
کی زراعت بالکل موقوف ہو گئی اور قحط کا اندیشہ پیدا ہوا - ایسی
حالت مین حسن نے ایک دوسری تدبیر سے کام لیا وہ یہ کہ
اپنے جان باز مرید کو بھیجا کہ جا کے نظام الملک کو مار ڈالے
اس وقت ۴۸۵ھ اور رمضان کا مہینہ تھا - نظام الملک خود
شاہ کے ساتھ تھا - زندین ٹھیرا ہوا تھا - اور بغداد جانے
کی تیاریان ہو رہی تھین نیک نفس وزیر روزہ افطار کر کے
حرم کے خیمون کی طرف جا رہا تھا کہ ایک لڑکا مستغیثون کی صورت
مین آیا نظام الملک اس کی باتون مین مشغول تھا کہ لڑکے نے
بڑھ کے چھری سے کام تمام کر دیا - ملک شاہ کو بڑا صدمہ ہوا اور کچھ ایسے اتفاق پیش آئے
کہ مہینہ نہین گذرنے پایا تھا کہ خود بھی مر گیا کہتے ہین اسکا کام حسن بن صباح ہی کے ایک مرید نے فریب سے جام زہر پلا کے
تمام کیا - وزیر اور بادشاہ دونون مر گئے تو اب الموت کا محاصرہ کیونکر قائم رہ سکتا تھا فوجین واپس
گئین - اور حسن بن صباح پھر اسی آزادی سے اپنے مذہب کی ترقی و ترویج

مین مشغول ہوگیا۔ نظام الملک کے قتل مین جو کامیابی ہوئی اُس نے حسن کی نظر مین دشمنون کے زیر کرنے کے لئے اس طریقہ کو نہایت ہی مفید اور کارگر ثابت کیا کہ جو سر تابی کرے وہ اسی طرح خموشی کے ساتھ قتل کر ڈالا جائے۔ اور اسی وجہ سے اس نے ایسے جان باز سپاہیون کے فراہم کرنے اور ایک باقاعدہ اور اصولی طریقے سے ان مین اس کارروائی کی پوری لیاقت پیدا کرنے کی کوشش شروع کی یہ ایک ایسا فن جنگ تھا جسکی طرف شاید ابتدائے تخلیق سے اس وقت تک کسی بادشاہ اور مقنن نے توجہ نہ کی ہوگی۔ یہ کام حسن بن صباح سے شروع ہوا اور اسی پر یا اوسکے جانشینون پر ختم ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ انسان بڑی مشکل سے اس قسم کا بن سکتا ہے کہ ایسے ذلیل طریقے سے جان دینے کو اپنا جوہر سمجھے۔ اور پھر اتنا مضبوط کہ جب تک دم باقی ہے اپنے ارادے سے نہ باز آئے۔ حسن کو اس مین پوری کامیابی ہوئی اور مین سمجھتا ہون کہ ویسی کامیابی اور کسی کے لئے محال ہے۔

اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے اُس نے تو پہلے اپنے مذہبی وقعت اور اپنے تقدس کو زیادہ زور دے کر لوگون کے ذہن نشین کرنا شروع کیا کچھ ایسے اقطاب انبیا کی شان سے الموت مین بیٹھا جس سے زیادہ موثر اور باعظمت بنانے والی کوئی حالت ہو ہی نہ سکتی تھی۔ کہتے ہین کہ قصر الموت کے کوٹھے پر بیٹھا تو اس طرح پاؤن توڑ کے کہ ۳۰ سال مین صرف دو مرتبہ زینے کے نیچے اترا تھا۔ وہ وہان تنہا رہتا مخصوص کے سوا کسی سے ملتا جلتا بھی نہ تھا شب روز روحانی ریاضتین کرتا اور اپنے عقاید کے متعلق تصنیف و تالیف مین مشغول رہتا تھا۔ لوگون سے اصول معینہ مسلمہ شرعی کی پابندی کرانے مین اتنا سخت ہوگیا کہ کبھی کسی شخص کے ساتھ رعایت ہی نہ کی۔ اُس کے مذہب مین جرم اور مذہبی قصور معاف ہی نہ ہو سکتا تھا اور یہی امر ہر شخص اور ہر طبقے کے دل مین

جتایا گیا تھا اس اصول میں اُس نے یہانتک استقلال دکھایا کہ فطری محبت بھی
اُس کے دل کو نرم نہ کر سکے۔ اس کے بیٹے حسین نے بلا تامل قصاص کا حکم دے کر
اُس نے قتل کر ڈالا۔ دوسرے بیٹے نے اتفاقاً شراب پی لی جسکو حسن حرام
بتاتا تھا۔ جب اس کی خبر حسن کو پہنچی تو اُسے فوراً قتل کر ڈالا۔ ایکدن کسی صاحب
اثر شخص نے قلعے کے اندر بانسری بجائی۔ یہ بھی حرام تھا حسن نے اُسے فوراً
قلعے سے نکلوا دیا۔ شاید قلعے میں کوئی نہ ہوگا جس نے اسکی سفارش نہ کی ہو۔
مگر کسی کی پیش نہ گئی۔ اور وہ نکال دیا گیا حسن کی شریعت میں شیخ یا امام کے حکم سے
سرتابی کرنے یا اُن کی مذہبی اصطلاح میں یوں کہا جائے کہ مسئلہ شرعی سے انحراف
کرنے کی سزا قتل تھی اور کسی کے ٹالے نہ ٹل سکتی تھی جس سزا کی تعمیل مذہب کے
ساتھ حکومت اور زیادہ زور کے ساتھ کراتی تھی۔

باقی رہا یہ امر کہ اسکی تصدیق مذہبی ذریعے سے ہو۔ اور معتقدوں کے دل کو
سچائی کا قطعی یقین ہو جائے۔ اس کے لئے حسن کی ایک بالکل نئی اور اچھوتی تدبیر
نکالی تھی جسکی طرف کبھی کسی شخص کا شاید خیال بھی نہ گیا ہوگا۔ اور شاید آجتک
کوئی شخص اس واقعے کو پڑھ کے بے تعجب کئے نہ رہا ہوگا۔ التمونت کے گرد کے
سرسبز و شاداب کوہسار میں ایک جنت بنائی گئی تھی۔ وہاں کی نظر فریب
وادیوں اور جانبخش مرغزاروں میں عمدہ خوبصورت اور دلفریب مکان برج اور
کوشکیں تعمیر کی گئیں تھیں۔ مکانوں کا اُجلا پن اُن کی خوشنمائی اور مرغزاروں
اور باغوں کی نزہت و تر و تازگی انسان کے دل پر جادو کا اثر کرتی تھی۔ خوبصورت
اور نازک سے نازک لڑکیاں ان مکانوں میں کثرت سے رکھی گئی تھیں۔ کہ
ان کی وضع کی سادگی اور اُن کے حسن کی لربائی ایک نظر میں۔ انسان کو
یقین دلا سکتی تھی۔ اس عالم کے سوا کسی اور ہی عالم کے نفاقی پیکر ہیں یہ

جنت کوہستان کے اندر ہی اندر بہت دور تک پھیلتی چلی گئی تھی - جا بجا سے کاٹ کے اسکے اندر نہریں لائی گئیں تھیں - اور کوشش کی گئی تھی - کہ جو شخص اس کے اندر آجائے - اسے ساعت بساعت زیادہ مسرت محسوس ہوتی جائے جسطرح کہا جاتا ہے - کہ ذہن بناتے وقت رازداری کے طریقے سے انسان کے دل پر خوف و دہشت کے بہت کچھ اثر ڈالے جاتے ہیں اور ہر طرح سے اس کو مرعوب بنایا جاتا ہے - اسی طرح یہاں کوشش کی گئی تھی کہ ہر آنے والے مومن کے دل پر جنت کا اتنا اثر پیدا کیا جائے - کہ وہ اس فرحت کو دنیاوی نہیں - بلکہ دوسرے عالم سے تعلق کرے - یہاں کی حوریں اور وہاں کے غلمان تمام کارروائیوں کو بالکل رازداری سے کرتے ہیں - تمام چیزیں جو کے باہر سے فراہم کرنے کی ضرورت ہوتی - اس خوبصورتی سے فراہم کی جاتی تھیں - کہ کسی کو کبھی سراغ ہی نہ لگ سکتا تھا - یہ جنت تھی - جو ایمان لانے والوں کے لئے بنائی گئی تھی - اور جو اکثر معتقدین کی خوش عقیدگی کا مرکز تھی - یہ جنت بنانے کے بعد حسن نے اپنے مریدوں کو تین گروہوں پر تقسیم کیا داعی رفیق اور فدائی داعی جو لوگ تھے جو مشنریوں کی طرح ممالک دور دراز میں پھیلے رہتے اور خفیہ ہی خفیہ لوگوں کو اس کے مذہب کی طرف بلاتے تھے شام سے لیکے کرمان اور سیستان تک شاید کوئی شہر ہوگا - جہاں حسن بن صباح کے داعی ترویج دین کی کوشش نہ کر رہے ہوں - رفیق وہ لوگ تھے - جو مذہب میں مجتہدانہ شان رکھتے اور جن کو حسن کا معتمد علیہ ہونے کی عزت حاصل تھی - مگر سب سے نیا اور سب سے زیادہ خطرناک تیسرا گروہ فدائیوں کا تھا - یہ وہ لوگ جو حسن کے حکم کی بلا عذر و بلا حجت آنکھیں بند کر کے تعمیل کرتے اور یہی وہ لوگ تھے جن کے ہاتھ سے یہ خونخوار کام کا اجرا پاتا تھا - کہ جس کے قتل کا اشارہ ہوتا - مختلف وضعوں اور لباسوں میں جاتے - رسائی پیدا کرتے اس سے ملتے اس

کے معتمد علیہ بنتے اور موقع پاتے ہی ان کا کام تمام کر دیتے تھے۔ فدائی تھے جنھوں نے حسن بن صبّاح کو دنیا میں ایک خاص کیرکٹر ثابت کیا ہے اور جن کی وجہ سے تمام بادشاہ اور امرا اُس کے نام سے کانپتے تھے اور یہی تیسرا گروہ تھا جس کے دلپر اپنا پورا اثر ڈالنے کی اُسے ضرورت تھی۔ اور اسی کے لئے وادی المعوت کی جنت بنائی گئی تھی۔

بھنگ جسے عربی میں حشیش کہتے ہیں۔ ان دنوں ایک نامعلوم چیز تھی۔ اور حسن ہی پہلا شخص ہے جس نے ایران و فارس میں سب سے پہلے اس بے ہوش کرنے والی پتی کا پتہ لگایا۔ اور اس نے اس سے کام بھی ایسا لیا۔ جیسا کہ شاید کوئی نہ لے سکا ہوگا۔ خوبصورت توانا و تندرست اور قوی ہیکل نوجوان جو سیدھے سادے ہوتے اور بہت جلد ایمان لانے کی استعداد و قابلیت رکھتے۔ علاقہ طالقان وردوبار سے منتخب کئے جاتے اور حسن کے دربار میں فدائی بننے کی عزت حاصل کرتے اُنھیں کو یہ فخر اور یہ درجہ مقبولیت کبھی حاصل تھا۔ کہ حسن کے ایک زمانے کی اُمیدواری و آرزومندی کے بعد انھیں حشیش کے اثر سے خاص اپنے سامنے اس طرح بے ہوش کرتا کہ اُن کے دل میں کسی نشی چیز کا استعمال کا گمان بھی نہ گزرتا۔ بے ہوش ہوتے ہی خاص ذریعوں اور خاص راستوں سے وہ جنت میں پہنچا دئے جاتے۔ جہاں پہنچتے ہی وہ ہوش ربا اور دلفریب حوروں کی گود میں آنکھ کھولتے اور اپنے آپ کو ایک ایسے عالم میں پاتے۔ جہاں کی خوشیاں اور مسرتیں اُن کے حوصلہ اور اُن کے خیال سے بھی زیادہ نظر آئیں۔ پرفضا اور روح افزا آبشاروں جان بخش باغوں اور نظر فریب مرغزاروں میں وہ سیر کرتے حوروں کی صحبت اُن کی دلستانی کرتی۔ نئے انعام انی جس کے جام غالباً یہاں شراب طہور کا نام سے کے ہاتھ میں دئے جاتے ہوں گے۔ اُن کے دنیاوی افکار

کو بھلا دیتے۔

الغرض چھ سات روز یا اس سے کم و بیش زمانے مین جب وہ اپنے دنیاوی مصائب کو بھول جاتے اور ان حسین وفاشعار حورون کی محبت کا نقش ان کے دل پر اتنا گہرا پڑ جاتا کہ پھر زندگی بھر کبھی نہ مٹ سکے۔ تب وہی حورین اُسے حشیش کا ایک جام پلا کے ان کو شیخ حسن کے سامنے پہنچا دیتین۔ جہان آنکھ کھول کے وہ اپنے آپ کو شیخ کے قدمون پر پاتے اور بے اختیار قدم چوم کے زبان سے یہ کہتے "ممکن بیدار زین خوابم خدارا"

ان کو پھر جنت مین بھیجنے کی اُمید دلائی جاتی اور انہین لوگون سے یہ ظالمانہ کام لئے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے دل پر اتنا مضبوط اثر گذشتہ لذتون کا پڑ چکا اور حورون کی ہمکناری و محبت کی تصویر اس طرح آنکھون کے سامنے پھرتی رہتی تھی۔ کہ حسن کے ہر حکم کی تعمیل مین اپنی قوت سے زیادہ سرگرمی و مستعدی دکھاتی کہ شاید جنت مین جلدی پہنچنے کا موقع ملے یہ یقینی بات ہے کہ وہ حورین ہر وقت کوشش کرتی ہونگی کہ ان کے دل کو اپنے ہاتھون مین لین۔ اور یہ یاد دلا کے کہ انہین دنیا مین پھر جانا ہے روز نئے ہزار ہا قسم کے مضبوط وعدے لیتی ہونگی جس طرح بنے جلدی پھر ہم سے ملنا۔ ان کے فراق مین وہ اپنی بے تابی ظاہر کرتی ہون گی۔ اپنے تئین ان کے وصال کا انتہا سے زیادہ مشتاق بتاتی ہون گی۔

پھر جو شخص کہ ایسے ایسے وعدے کر کے اور ایسی ایسی محبت کی بے تابیان دیکھ کے آتا ہوگا۔ اور پھر یہ بھی یقین رکھتا ہوگا کہ اس عشرت کدہ لازوال مین رسائی یا تو شیخ کے حکم کی تعمیل ہو سکتی ہے یا مر کے وہ جو گزرے تھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ تھا۔ کہ ہر فدائی ہر وقت جان دینے پر تیار رہتا۔ اور جتنی جلدی اُسے جان دینے کی اجازت ملتی اتنا ہی زیادہ ممنون احسان ہوتا۔

یہ باضابطہ اور جان باز فوج تھی جسکو حسن نے اپنی قوت بڑھانے اور اپنا اثر پھیلانے کے لئے مرتب کیا تھا۔ یہ قوت اور یہ فوج ابھی اچھی طرح مرتب نہیں ہو چکی تھی کہ سلطان سنجر نے جو ملک شاہ کے بعد ایک بڑی اور زبردست سلطنت کا مالک ہو گیا تھا حسن بن صباح کا حال سنا اور اپنی فوج لے کے چلا کہ اسماعیلیہ قوت کا ایران میں خاتمہ کر دے اور ظاہر ہے کہ حسن میں اُس کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ اِس طریقہ جنگ کا مرد میدان نہ تھا۔ اس کی ہی کامیابی کے اسباب دوسرے ہی تھے اور اسی قسم کے تھے۔ جس طرح کہ نظام الملک کی جان لے لی گئی تھی۔ حسن نے اس مرتبہ کوشش کی کہ سنجر کو قتل نہ کرے مگر اُس کے دل پر اپنا رعب پوری طرح بٹھا دے۔ چنانچہ خاص سنجر کے کسی غلام کی اور خاص ملازم کو رشوت دے کے یا اپنا معتقد بنا کے اپنا اور اپنے نام کا ایک خنجر دیا کہ اُسے رات کو نہایت خموشی کے ساتھ اور اس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ سلطان سنجر کی خوابگاہ میں جا کے اُس کے سرہانے رکھ دے۔ یہ کوئی مشکل امر نہ تھا۔ اُس کی تعمیل ہو گئی۔ سنجر صبح کو آنکھ کھولتے ہی وہ خنجر دیکھ کے پریشان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اور میری خوابگاہ میں آنے کی کسے جرأت ہو سکتی تھی۔ دل میں ڈر کے خاموش ہو رہا۔ اور خموشی ہی کے ساتھ تفتیش کر رہا تھا کہ حسن کا خط پہنچا جس کا یہ مضمون تھا کہ۔

"اگر سلطان کو میں اچھا نہ سمجھتا تو وہ خنجر جو سلطان کو اپنے سرہانے کے پاس ملا تھا۔ اُس کے دل میں تیرا ہوا ملتا۔"

اس خط کے پڑھتے ہی سنجر دل ہی دل میں کانپنے لگا اور اس قدر مرعوب ہو گیا۔ کہ کسی طرح قدم آگے بڑھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ فوراً شرائط صلح پیش ہوئے اور صرف ان تین شرطوں پر حسن سے صلح ہو گئی۔

(۱) اسماعیلیہ فریق والے اپنے قلعون کے متعلق کوئی جدید فوجی عمارت نہ تعمیر کریں۔

(۲)۔ جدید اسلحہ جنگ یا گولہ اندازی کی کلیں (منجنیق) نہ خریدیں؛

(۳)۔ اور اس کے بعد سے حسن بن صباح کسی نئے شخص کو اپنے معتقدین اور مرید نہ بنائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ باوجود دوڑ جانے کے سنجر نے اسکی بڑی کوشش کی کہ حسن کی قوت زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ اگرچہ اس معاہدے مین اس نے کو بہت بڑی رعایت تھی کہ شیخ الجبال کے لئے (جس نام سے کہ حسن اب مشہور تھا) محاصل قم کا ایک حصہ بطور وظیفہ کے مقرر کردیا تاہم اُس کو فوجی قوت بڑھانے سے بالکل روک دیا تھا۔ حسن کو بھی ان شرائط کے تسلیم کرلینے مین کوئی عذر نہ ہوسکتا تھا۔ اس لئے کہ جس سپاہ سے وہ کام لیتا تھا۔ اوس کو ایک چھری کے سوا نہ کسی حربہ جنگ کی ضرورت تھی۔ اور نہ منجنیقون کی۔ اس کو اب کسی جدید قلعہ کی بھی حقیقت مین ضرورت نہ تھی۔ باقی رہی صرف ایک بات وہ یہ کہ کسی نئے شخص کو اپنا معتقد نہ بنائے۔ یہ ایک ایسا امر تھا جسکی پابندی بہ ظاہر حسن پہلے ہی سے کر رہا تھا۔ اس لئے کہ بنی فاطمہ کے تمام داعی جن لوگون کو اپنا بناتے اور جن سے بیعت لیتے بالکل چھپا کے اگرچہ یہ امر اس عہد مین ہر مرغوب مذہب اور ہر گروہ کے داعیون مین تھا۔ مگر ان لوگون مین ایک عادت کی مثل ہو گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ لوگ باطنئین کہلاتے تھے یعنی تمام کارروائیان اور کل سازشین پوشیدہ ہی ہوتی تھین۔ اسماعیلیون کا اصول آجتک یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے خوف بھی تقیہ کرتے ہین۔ لہذا سنجر نے ایک ایسی قید لگائی تھی جس کی پابندی حسن اور اوس کے

معتقدین پہلے ہی سے کر رہے تھے۔

ان دنون یہ گروہ چار نامون سے نامزد تھا۔ اسماعیلیہ۔ قرامطہ۔ باطنیہ اور حشیشین اسماعیلیہ وہ عام اصلی نام ہے جو مصر سے لیکے ہندوستان تک تمام طرف داران خلفائے بنی فاطمہ مصر کے لئے مخصوص تھا جن کا دعویٰ تھا کہ امامت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اُن کے صاحبزادے اسماعیل پر منتقل ہوئی جن کی نسل مین کئی مخفی اور پوشیدہ اماموں کے بعد مہدی کو امامت ملی۔ جو اس خاندان خلافت کا بانی تھا اور اُس کے بعد اوسی کی نسل مین امامت رہی۔ اس نام کے مجاز اصل مین صرف وہی لوگ تھے جو مصر مین تھے۔ یا وہان کے فاطمی خلفا سے بلاواسطے تعلق رکھتے تھے لیکن اُن کے داعیون اور نقیبون نے مشرق مین نئے نئے شگوفے کھلائے۔ وہ ہمیشہ ایک نئے فارم اور نئی وضع مین نمودار ہوتے رہے اور کئی نامون سے نامزد کئے گئے۔ چنانچہ سب سے پہلے جس شخص نے انہین فاطمیین کے نقیبون کی طرفداری کر کے خلافت عباسیہ سے بغاوت کی اُس کا لقب قرامطی تھا۔ وہ بظاہر تو فاطمیین مصر کو مانتا تھا۔ مگر حقیقت مین ان لوگون کے نام کے سوا پولٹیکل فائدہ اُٹھانے کے اُس کی اور کوئی غرض نہین آتی۔ اُس کے معتقدین قرامطہ کہلاتے تھے۔ قرامطہ کی قوت یہان تک بڑھ گئی تھی کہ تمام ملک شام کو تباہ کر دیا۔ خاص سادات بنی فاطمہ کی سخت توہین اور بےعزتی کی خانہ کعبہ کے ہدم پر آمادہ ہو گئے۔ اور حجر اسود کو کھود کے عمان مین لے گئے جہان اُن کا مرکز تھا۔ آخر مین یہ خلفائے مصر کی گرفت سے بھی باہر ہو گئے تھے۔ اور خراسان سے شام تک ہر شہر ان کے دست ستم سے چیخ اوٹھا تھا۔ ان کا مذہب بالکل جدا تھا جس کے اصول ان کے مخالف اور دشمن

مورخین کی زبانی جو ہم تک پہنچے ہیں۔ ان میں یہ بے اعتدالی ضرور نظر آتی ہے۔ کہ یا تو اتنی سختی کہ انسان پر پانچ کی جگہ پچاس نمازیں فرض ہیں۔ یا اتنی آزادی کہ شراب تک حلال ہے۔ عقائد بالکل عقلی اصول اور معتزلہ کے شکوک سے لئے گئے تھے۔

یہی مذہب اسماعیلیہ تھوڑے زمانے کے گزرنے کے بعد جب مشرق میں دوبارہ حسن بن صباح کی عجیب و غریب کوششوں سے نمودار ہوا۔ تو بالکل نئے رنگ اور نئی وضع میں تھا۔ اب وہ علانیہ بغاوتیں نہ تھیں۔ بلکہ خفیہ سازش کا بازار گرم ہوا۔ اب یہ لوگ قرامطہ نہ تھے بلکہ باطنیہ اور حشیشین کہلاتے تھے جنکی وجہ تسمیہ بھی اوپر معلوم ہو چکی۔ باطنیہ کہے جانے کا ایک سبب اور بھی تھا جس کو تعلق ان کی ان باطنی سازشوں سے نہیں۔ بلکہ ان کے عقائد سے ہے

اس موقع پر ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم فرقہ اسمعیلیہ کے اختلاف اور ان کے عقائد کو بھی بیان کر دیں۔ اگرچہ اس سے مضمون بڑھ جائے گا۔ مگر اکثر احباب کو بہت سی ایسی باتیں معلوم ہو جائیں گی۔ جو اس وقت تک نہیں معلوم طرفداران اہلبیت نبوت اور شیعیان علی مرتضیٰ میں پہلا اختلاف امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے جناب زید کے وقت سے پیدا ہوا۔ حضرت زید کے اصول یہ بتائے جاتے ہیں کہ یوں تو آپ اس امر کو جائز سمجھتے تھے کہ کوئی ایسا شخص جو سب سے افضل نہیں جائز ہے کہ مصباح اپنے سے زیادہ برگزیدہ لوگوں پر امام مقرر کر دیا جائے۔ اور اسی بنا پر آپ خلفائے ثلثہ کی خلافت کو جائز اور حضرت علی مرتضیٰ کو سب سے افضل و اعلیٰ بتاتے تھے۔ آپ کے نزدیک یہ نہیں جائز تھا کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی نسبت تبرے کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ آپ کے تبعین کا پہلا گروہ جو شیعوں سے علیحدہ ہوا

اور زیدیہ کے لقب سے مشہور ہوا - اور ان مین پھر بعد کو اور بھی تفرقین قائم ہو گئین - زیدیہ کے نزدیک امامت بارہ پر منحصر نہ تھی - اور نہ یہ ضرور تھا کہ ایک وقت مین ایک ہی امام ہو بلکہ جائز تھا - کہ متعدد ائمہ معاصر ہون اور اپنی اپنی جگہہ پر ہر ایک امامت کے خلعت سے آراستہ ہو - چنانچہ انہون نے خاندان رسالت کی کئی یادگارون کو ایک ہی وقت مین امام تسلیم کر لیا -

زیدیہ تو گویا علیحدہ ہو گئے - مگر وہ لوگ جو امامت کو ائمہ اثنا عشر مین یا جناب امام باقر علیہ السلام کی نسل مین لئے آتے تھے اُن مین آگے بڑھ کے ایک دوسرا اختلاف پیدا ہوا - جو پہلے سے زیادہ سخت اور زیادہ مستقل تھا - اِن لوگون مین امامت کا سلسلہ اس ترتیب سے آیا تھا کہ علیؓ مرتضی و حسین علیہم السلام کے بعد چوتھے امام جناب زین العابدینؑ پھر آپ کے بعد کے صاحبزادے امام محمد باقرؑ اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے امام جعفر صادق جو چھٹے امام ہین دوسرا جھگڑا امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد سے شروع ہوا - آپ کے دو صاحبزادے تھے - ایک اسمٰعیل جو محمد نام ایک صاحبزادے کو چھوڑ کے پدر بزرگوار کی زندگی ہی مین واصل بحق ہو گئے - اور دوسرے امام موسیٰ کاظم جو کہ سب کے نزدیک امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد امام ہو گئے - اور جن کی نسل سے بارہ امامون کا وہ سلسلہ پورا ہوتا ہے جسکو شیعہ اثنا عشریہ آج تک صحیح اور برحق مانتے ہین -

اسمٰعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل چند روز بعد ارض مغرب مین پہنچی اور ایک مدت کی گمنامی کے بعد یہ خاندان اس شان سے اور اس وجوہ کے ساتھ نمودار ہوا کہ امام موسیٰ کاظم نہین بلکہ امام جعفر صادقؑ کے بعد وارث امام اسمٰعیل تھے اور جب یہ اعتراض کیا گیا تو اسمٰعیل بن جعفر صادق کا

انتقال تو پدر بزرگوار کی زندگی ہی مین ہو گیا تھا۔ تو اُنھون نے جواب دیا۔ کہ
امام کی زندگی ہی مین امامت کا دوسرے پر منتقل ہو جانا جائز ہے۔ خاندان کو
آخر حکمرانی کا موقع مل گیا۔ اور جب اس کی سلطنت اقصائے مغرب سے لیکے
مصر تک پھیل گئی تو اس کے دعوے مین خود بخود زور بھی پیدا ہو گیا۔ اور لوگ
کثرت سے پیرو ہونے لگے یہی لوگ اصلی اسمعیلیہ ہین۔ اور اُنھون نے پہلا اختلاف
تو یہ کیا کہ کہہ دیا۔ امامت کے لیئے ۱۲ کی قید نہین۔ امام بہت سے ہو سکتے
ہین۔ مگر ہان ہر امام کے ۱۲ نقیب ہونے چاہئین۔ اُنکا دعویٰ ہے کہ شیعیان
کی غلطی ہے کہ بارہ کے عدد کو امامون کے ساتھ ملاتے ہین۔ بلکہ یہ عدد نقبا
کے لیئے مخصوص ہے۔ امامت کے ساتھ وہ سات کے شمار کو ملاتے ہین اور
وہ بھی اس طرح کہ یہ ضرور نہین کہ سات پر امامون کا شمار ختم ہو جائے۔ بلکہ
کہتے ہین کہ سات سات کے سلسلہ رہتے ہین یعنی پہلے سات ہوئے۔ اُس کے
بعد پھر سات اور اسی طرح پھر سات اور اسی اصول سے کہتے ہین کہ اسمعیل
ساتوین امام تھے۔ اور اُن کے بیٹے محمد کو جُدا امام نہین کہتے بلکہ کہتے ہین کہ
وہ سابع تام تھے۔ یعنی ساتوین ہی امامت کا اُنھون نے تکملہ کیا۔ یہ سات
تو اُن کے امام ظاہر ہین۔ پھر اُن کے بعد سے تین امام باطن گذرے جو دنیا
مین نمودار نہین ہوئے۔ مخفی بیٹھے رہے۔ مگر اُن کے نقیب علانیہ ہدایت
خلق اللہ کرتے تھے۔ پہلے نشو بن محمد مکتوم۔ دوسرے جعفر مصدق تیسرے
حبیب۔ یہ تین امام مخفی تھے۔ ان کے بعد سے پھر امامان ظاہر سلسلہ شروع
ہوا۔ جن مین سب سے پہلا عبید اللہ مہدی ہے۔ جو بانی خاندان فاطمیین
مصر تھا۔ چوتھا معد الملقب بہ المعز لدین اللہ۔ پانچوین نزار الملقب بہ عزیز
باللہ چھٹا منصور الملقب بہ الحاکم بامر اللہ ساتوان علی جس کا لقب

الظاہر باعزاز الدین اللہ بنیا۔

ظاہر کی خلافت کے زمانے میں چار سال تک تمام انتظام مملکت اسکی پھوپھی بیت الملک کے ہاتھ میں رہا۔ اس کے بعد ابو تمیم معدا الملقب بہ المستقر باللہ الیسی مستنصر ہے جس حسن بن صباح کے ملا تھا۔

ان لوگوں نے یہ عجیب خیال پیدا کیا تھا کہ جب تک امامت مخفی رہتی ہے اوس وقت تک نقابت اور دعوت ظاہر رہا کرتی ہے۔ اور جب امامت ظاہر ہو جاتی ہے تو نقابت اور دعوت مخفی طریقوں سے ہونے لگتی ہے۔ اور یہی پہلی بنا ہے۔ جس نے اندرونی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کو جزو مذہب بنایا۔

بہ اعتبار امامت یا چند خاص عقاید کے اس مذہب نے اس شان سے مغرب میں ظہور کیا تھا۔ مگر جب اس کے داعی پہلے تو حکومت عباسیہ کی ظلم و اکثر وہ لوگ جو آپ نے حکمرانوں سے بغاوت یا مخالفت کا حوصلہ رکھتے تھے انہوں نے اس دعوت کو صرف ضرورت کے لئے قبول کر لیا۔ مگر ہمیشہ سے نئے اصول اور نئے عقاید دنیا کے سامنے پیش کئے ابتدائے دعوت میں قرامطہ کا ظہور ہوا۔ جن کا حال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ انہیں کے دوسرے ہم خیال اور ہم اغراض حسن بن صباح کے مرید یعنی باطنیہ تھے۔ حسن بن صباح کی کوشش نے بھی مذہب کو جس رنگ کا جامہ پہنایا وہ بالکل نیا اور اچھوتا تھا مذکورہ بالا اصول امامت کے تسلیم کرنے کے بعد اس نے الٰہیات کے نازک اور دقیق مسائل پر غور کرکے مسلمانوں کے خدا کو بھی یونانی فلسفیوں کے خدا کی طرح مجرد عین الماذہ کے درجے سے بڑھا کے معری و معطل سا بنا دیا۔ اس نے ہمارے متکلمین کی طرح یہ نہیں کہا کہ واجب الوجود عز اسمہ کے جملہ صفات

عین ذات ہیں۔ بلکہ یہ کہہ دیا کہ اس میں کوئی صفت ہی نہیں اُس نے کہہ دیا کہ اگر صفات اس میں ہوں۔ تو وہ مخلوق کا سا ہو جائے۔ ور تشبیہ لازم آئے۔ لہذا اُس کی طرف کسی صفت کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ اور یہ صفات اُس کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ اس اعتبار سے نہیں کہ اُس میں موجود ہیں بلکہ دوسرے اعتبار سے اُس کو قادر کہتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ اُس میں قدرت ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ اُس نے دوسروں کو قدرت عطا کی ہے۔ اور اسی طرح جملہ صفات کی نسبت اُس کی جانب محض اس سبب سے کی گئی ہے کہ اُس نے مخلوق کو وہ چیزیں عطا کی ہیں۔ ان صفات ہی کی کیا تخصیص ہے حسن نے دراصل خدا کی ذات کو بھی شبہ میں ڈال دیا۔ اس کا خیال ہے۔ کہ خدا کے ساتھ لفظ وجود کو بھی منسوب نہیں کر سکتے نہ ہم اُسے موجود کہہ سکتے ہیں اور نہ غیر موجود۔

باطنیہ کے ان عقاید میں ہمارے ناظرین کو شاید بہت کم لطف آئے گا لہذا ہم اُن کا وہ خاص عقیدہ بتائے دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ باطنیہ کہلائے اُن کے نزدیک ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور ہر حکم قطعی کی ایک تاویل ہوتی ہے یہ ایک ایسا اصول تھا جس کی بنا پر احکام شرعی میں ہر قسم کا تصرف ہو سکتا تھا۔ ممکن تھا کہ ہر حلال حرام ہو جائے۔ اور ہر حرام حلال کر دیا جائے اور یہی وجہ تھی۔ کہ جس طرح مصر میں ہر خلیفہ کے عہد میں مذہب ہمیشہ ایک نئی شان سے ظاہر ہوا اس طرح حسن بن صباح کے المونت میں روز نئی ترمیمیں ہوئیں۔ کبھی جائز نا میں حرام نہیں۔ اور کبھی شراب تک حلال تھی۔

باطنیوں کے عقاید کو بالاجمال بتا کے اب ہم پھر حسن کے حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ درحقیقت حسن کو اپنے معتقدین اور پیروؤں میں جو مقبولیت اور وقعت حاصل تھی۔ شاید کسی بادشاہ اور فرمانروا کو کم حاصل ہوگی۔ خود خلفا کے

بنی فاطمہ مصر جن کی مشعل سے حسن نے اپنا چراغ جلایا تھا۔ وہ بھی اپنے معتقدین میں بھی وہ مرتبہ نہیں حاصل کر سکے۔ جو حسن کو اس کی جنت اور ظاہری بے نفسی اور ریاضت سے حاصل ہو گیا تھا۔ اس کے حکم سے اور اس کے اشارہ پر جان دینا لوگ اپنا سب سے بڑا فرض خیال کرتے تھے۔ اور جنت کے شوق نے موت کو بالکل ایک معمولی بلکہ خوشگوار چیز بنا دیا تھا۔

ملک شاہ نے جس کا ذکر اوپر آ چکا حملے سے پیشتر حسن کے پاس ایک سفارت بھیجی تھی۔ جس کے ذریعہ سے باطنیہ کے عقاید دریافت کئے تھے۔ اور ہدایت کی تھی کہ بھلائی چاہتا ہے تو فوراً قلعہ الموت خدام سلطانی کے سپرد کر دے حسن نے اس موقع پر اپنا رعب داب اور اپنا عجیب و غریب اثر دکھانے کے لئے اس قاصد کے سامنے ایک خادم کو بلا کے خود کشی کر لینے کا حکم دیا۔ حکم کے ساتھ ہی اس خادم نے اپنا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک دوسرے خادم کو اشارہ کیا جو فوراً ایک بلند برج پر چڑھ کے نیچے گرا اور تڑپ کے مر گیا۔ یہ وہ خوفناک تماشے دکھا کے حسن نے ملک شاہ کے سفیر کو واپس کیا۔ اور قلعہ کی حفاظت کا سامان کرنے لگا۔

اس طرح اپنی قوت خوب بڑھا کے اور اپنے لشکر کو ایسے جاں نثار سپاہیوں سے آراستہ کر کے حسن بن صباح نے اطراف و جوانب میں اپنے داعی اور نقیب پھیلانا شروع کر دیئے چند ہی روز میں ترکستان سے لے کے مصر تک کوئی جگہ نہ تھی جہاں اس کے اصول مذہبی کی تلقین نہ ہو رہی ہو۔

جب یہ خبر اطراف عالم میں پھیلی تو ساری دنیائے اسلام میں ایک تہلکہ پڑ گیا سلاطین گھبرا گھبرا کے چونک پڑے اور علما و مقتدایان ملت نے فدائیوں اور اسماعیلیوں کے خلاف کفر و بے دینی کے فتوے جاری کئے اور عام طور پر

ہر جگہ حکم دے دیا گیا۔ کہ جو کوئی اپنے آپ کو فدائی بتلائے یا اُس پر فدائی ہونے کا اشتباہ ہو فوراً قتل کر ڈالا جائے۔ اِن احکام کا یہ نتیجہ ہوا کہ خراسان سے بحیرۂ روم کے سواحل تک ہر جگہ قتل و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ جہاں کوئی فدائی ملجاتا فوراً قتل ہوتا۔ مگر اس مخالفت اور عداوت نے فدائیوں میں اور زیادہ جوش پیدا کر دیا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ احتیاط کو عمل میں لاتے اور اپنے دشمنوں کو زیادہ سرگرمی سے قتل کرتے۔

اسی زمانہ میں حسن بن صباح کے معتقدین کا قدم سرزمین شام میں جم گیا۔ اتفاقاً اُن دنوں حروب صلیبیہ کے پہلے حملہ آوروں کا سیلاب سرزمین شام سے گذر اتھا۔ اور بیت المقدس میں مسلمان بلا استثنا و امتیاز قتل کیے گئے تھے۔ رضوان نامی ایک شخص نے جو شہر حلب کا مالک تھا۔ مذہب اسماعیلیہ قبول کر کے ایک طرف تو عیسائیوں سے دوستی پیدا کی۔ دوسری طرف فدائیوں کی ایک بڑی جماعت کو اپنی زیر حمایت لیکر مسلمانوں کو قتل کرانا شروع کیا۔ مگر رضوان کے مرتے ہی معاملہ منعکس ہوا۔ تمام مسلمان یکایک اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جتنے اسمٰعلی اور فدائی ملے سب کو قتل کر ڈالا۔ اور کہتے ہیں کہ بڑی بے رحمی سے قتل کیا۔ لیکن فدائی اپنی کارروائیوں سے غافل نہ تھے۔ اُن کے تین پُر جوش جانبازوں میں خلیفہ بغداد کے بھرے دربار میں اور سب لوگوں کے دیکھتے دیکھتے دمشق کے والی اتابک کے دھوکے میں والی خراسان پر ایک ساعت حملہ کر دیا۔ اور اُس کی جان لئے بغیر نہ رہے۔ اسی طرح اور بھی کئی صوبوں کے گورنر مارے گئے۔ اور یکایک اُن لوگوں کی اسقدر ہیبت دلوں میں بیٹھ گئی کہ بعض بعض حکمرانوں نے اپنے پہاڑی اور مضبوط قلعے آپ ہی مسمار کر دیے۔ کہ حسن بن صباح مانگے گا۔ تو دینے پڑیں گے۔

آخر مدت ہائے دراز کی عزلت گزینی وریاضت اور پینتیس برس کی حکمرانی کے بعد جمادی الثانی ۵۱۸ھ میں حسن مرض موت میں مبتلا ہوا۔ اور جب یقین ہو گیا کہ اب زندگی کا خاتمہ ہے تو فوراً اپنے ایک قلعدار اور معتمد علیہ بزرگ کو بلایا۔ اور تمام امور انتظامی کی باگ اُس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور وصیت کی کہ میرے بعد تمہاری حیثیت حاکم اعلیٰ کی رہے۔ مگر نظم و نسق سلطنت کی خدمت دیدار علی کے سپرد کرنا۔ اور فوجی کام امیر الجیش قصرانی کے ہے۔ وصیت کرکے ۲۶ ماہ مذکور کو اُسکی روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا اور وہ بزرگ بادشاہ والتمونت اور اس جدید اسماعیلی لاج کا گرینڈ ماسٹر یا داعی الدعات قرار پایا۔

حسن کی طرح اس نے بھی فدائیوں ہی کے بل پر حکومت کی۔ اور اس پرجوش گروہ کو اور ترقی دلانے لگا۔ اُس کے عہد میں بہت سے حکمرانوں نے باہم مل کے ارادہ کیا۔ کہ التمونت کے فتنے کا خاتمہ کر دیں۔ بخصوص اُن کے ساتھ سلطان سنجر کے جانشین سلطان محمود نے اس مہم میں اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ اس نوجوان نے حملہ کرکے قلعہ التمونت پر قبضہ کر لیا۔ اور باطنیوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ مگر سلطان محمود کے مرنے کے بعد کیا بزرگ پھر اپنے اُس پرانے قلعے پر قابض ہو گیا۔ اور اُس کی حکومت قزوین تک پھیل گئی۔

اُن دنوں فاطمیوں میں سے ابو ہاشم نام ایک بزرگ نے شہر گیلان میں دعوی امامت کیا تھا۔ کیا بزرگ نے پہلے انہیں دھمکی دی۔ مگر جب دھمکی کے جواب میں اُنکا عتاب آمیز خط آیا۔ تو ایک فوج بھیج کے اُنہیں شکست دی اور گرفتار کر لیا اور خاتمہ یہ ہوا۔ کہ وہ بیچارے اُن ظالم و خونخوار

دشمنون کے ہاتھون زندہ آگ مین جلا دیے گئے۔

شام مین اگرچہ فی الحال باطنیون کا زور ٹوٹا ہوا تھا مسلمان امرا اُن کا قلع قمع کر رہے تھے۔ اور خود عیسائیون سے بھی تعلقات نازک تھے۔ مگر فدائیون کے جوش مین کسی قسم کی کمی نہین آنے پائی تھی۔ چند فدائیون نے حکمران موصل پر ایک ساتھ حملہ کر دیا اور اُسے قتل کر ڈالا۔ اِن مین سے سات گرفتار ہو کر مارے گئے مگر ایک بھاگ کر بچ گیا۔ اُس کی مان کو پہلے اُس کے مارے جانے کی خبر ملی تھی جس پر وہ بہت خوش ہوئی۔ کپڑے بدلے۔ خوشبو لگائی۔ اور عید سے ٹھاٹھ کر کے بیٹھی رہی تھی۔ کہ معلوم ہوا وہ زندہ ہے۔ فوراً بال نوچ ڈالے۔ کپڑے پھاڑ کر پھینک دیے کہ افسوس میرا بیٹا شہادت اور ایک درجہ اعلیٰ سے محروم رہا یہ اثر تھا جو حسن کی کوششون سے مردون عورتون تک کے دل مین پیدا ہو گیا تھا

اسی عہد مین آٹھوان فاطمی خلیفہ مصری فدائیون کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسلیے کہ حسن کے معتقد اسے جائز وارث اور امام نہین تسلیم کرتے تھے۔ بلکہ وہ نزار کی امامت کے معتقد تھے۔ جسے مصری سازشون سے باپ کی خاندانی حکومت نصیب ہوئی تھی۔ اسی کے آٹھ سال بعد خلیفہ المسترشد باللہ عباسی فدائیون کے ہاتھ سے سر بازار مارا گیا۔ اور اس کے قتل مین اس قدر بے رحمی سے کام لیا گیا کہ ناک اور کان کاٹ لیے گئے۔ اور لاش برہنہ سڑک پر ڈال دی گئی ان خلیفون کے علاوہ کیا بزرگ کے عہد مین فدائیون نے خاص ابو سعید ہروی کو دولت شاہ فرمانروائے [illegible] آق سنقر حاکم مراغہ ابو القاسم حسن [illegible] قزوین کے سے نامی گرامی لوگون کو جام شہادت پلایا۔

کیا بزرگ نے [illegible] کا بیٹا محمد المہتدی [illegible] اور [illegible] تاجداری کی ابتدا اس سے ہوئی کہ خلیفہ [illegible] الراشد باللہ [illegible]

سے مارا گیا۔ اس نے باپ کے خون کا انتقام لینے کا سامان کیا تھا اور ایک فوج جمع کر کے روانہ ہوا تھا۔ کہ راستے ہی میں چار فدائیوں کے ہاتھ سے اپنے شاہی خیمہ میں سوتا ہوا مارا گیا۔ راشد باللہ کے مارے جانے کی خبر جب الموت میں پہنچی تو بڑی خوشیاں کی گئیں۔ ان تمام پہاڑیوں پر جو قلعہ الموت کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہیں سات شبانہ روز تک نوبت بجتی رہی۔ اور ہر شخص انتہا سے زیادہ مسرور تھا۔

اس امر کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ ان سنگدل فدائیوں کے ہاتھ سے کتنے آدمی مارے گئے۔ یہی بتانا کافی ہے۔ کہ انسانوں کے ہر طبقے اور ہر مذہب میں سے کوئی گروہ نہیں بچا تھا جس میں فدائیوں کے خنجر نے کوئی کمی نہ پیدا کر دی ہو۔ فرمانروائے الموت جو شیخ الجبال کہلاتا تھا۔ اوس کے جانثار کارگذار ہر شہر ہر قصبہ بلکہ ہر خاندان میں موجود تھے۔ جس کسی کا نام اس خوفناک شیخ کی خون آلود فہرست میں لکھ گیا۔ پھر اسے کہیں پناہ نہ مل سکتی تھی۔ مساجد کی حرمت مکانوں کی مضبوط دیواریں اور گھروں کے مقفل دروازے سب اس کے لئے بیکار تھے۔ کوئی شخص جس طرح دشت بے گیاہ میں تنہا ہونے کی حالت میں خائف تھا۔ اسی طرح بڑے بڑے زبردست لشکروں کی جھرمٹ میں بھی ان فدائیوں سے کانپا کرتا تھا۔ یہ فدائی صرف اتنی ہی غرض رکھتے تھے کہ خواہ مریں یا جئیں مگر جس کے لئے حکم ہو اسے قتل کر ڈالیں۔ صرف دشمنوں سے انتقام لینے ہی کے لئے یہ خون آشام کارروائی نہیں ہوتی تھی بلکہ کبھی صرف روپیہ فراہم کرنے یا دوستوں کے خوش کرنے کے لئے لوگوں کی جان لی جاتی تھی۔ جو فدائی اپنی خدمت ادا کرنے میں مارے جاتے شہید خیال کئے جاتے ان کے پسماندوں کو بیش بہا تحفے دئے جاتے اور اگر وہ غلام ہوتے تو انہیں آزادی کی دولت

ملتی۔ اس طرح نجات سرمدی اور اپنے دوستوں کو دنیاوی فائدہ پہنچانے کے لئے وہ قسم کھا کر گھر سے نکلتے اور جسکی جان لینی ہوتی وہ جہاں ہوتا جا پہنچتے اس کام میں وہ موت کی مطلق پرواہ نہ کرتے۔ بلکہ درحقیقت وہ موت ہی کو کامیابی سمجھتے تھے بھیس بدل بدل کے انہوں نے اکثر اعظم ایشیا کی پوری مسافت قطع کی بلکہ بعض اوقات یورپ میں بھی قدم رکھا اور ایک کونے سے دوسرے کونے پر جا پہنچے اُن کی سرگرمیوں نے عام دنیا میں ان دنوں اس قدر وحشت اور بدگمانی پیدا کر دی تھی کہ کسی کو اس امر کا اطمینان کر لینا غیر ممکن تھا کہ یہ راہب جو کلیسا کی قربان گاہ کے سامنے گھٹنوں پر کھڑا عبادت کر رہا ہے۔ یا یہ مہمان جو دسترخوان پر ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے شیخ الجبال کا فدائی تو نہیں ہے۔

اس امر کا اعتراف ہمیشہ کیا جاتا تھا کہ یہ سلطنت جو حاصل کی جاتی ہے اپنے لئے نہیں بلکہ امام غائب کے لئے ہے۔ جو عنقریب ظاہر ہوں گے۔ ان کے خفیہ راز چاہے جو کچھ ہوں۔ مگر ظاہر میں یہی کہتے ہیں۔ کہ ہم سچے مسلمان اور حقیقتاً اسلام کے پیرو ہیں۔ جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ کہ سلطان سنجر نے جب ایک قاصد بھیج کے باطنیہ کے عقاید دریافت کئے تو حسن بن صباح نے لکھا تھا۔ کہ "ہمارا ایمان توحید ہے اور صرف اُسی شریعت پر عمل کرنے کو صراط المستقیم سمجھتے ہیں جو خدا اور رسول سے ملی ہے تحقیق عالم بعث و نشر جزا و سزا اور قیامت کے متعلق ہم وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔

محمد اگرچہ خوش نصیبی سے باطنیوں کا بادشاہ ہوگیا۔ مگر اس میں اپنے فرائض منصبی پورے کرنے کی کافی لیاقت نہ تھی۔ آخر یہ امر باطنیوں پر ظاہر ہونے لگا۔ اور اکثر لوگ اس کے بیٹے حسن کی طرف متوجہ ہوئے جو بڑا عالم و فاضل تھا۔

اور عجیب و غریب طبیعت کا شخص ثابت ہوا۔ اس کے کارنامے خود بانی سلطنت حسن بن صباح سے بہت ملتے ہیں لوگ روز بروز اس کے گرویدہ ہونے لگے اور چند روز میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ اپنے کو نائب امام بتاتا ہے۔ محمد کو جب یہ خبر پہنچی تو بیٹے کو دھمکایا اور اوس کے ۲۵۰ ہم عقیدہ دوستوں کے سر کٹوا ڈالے۔ حسن نے اس موقع پر اپنی برات ظاہر کی اور علانیہ کہنے لگے کہ جو لوگ قتل کیے گئے در اصل لامذہب اور دہریے تھے۔ اور مجھے ان سے کوئی علاقہ نہیں۔ مگر خفیہ طور پر دوسرے مریدوں کے پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ باپ کی نا قابلیتی نے اُسے اسبات کا زیادہ موقع دیا اس لیے کہ محمد اپنی کمزوری سے اُن تمام قلعوں کی نگرانی نہیں کر سکتا تھا جو ہزار ہا میل تک کوہستان ہی کوہستان میں پھیلتے چلے گئے تھے۔ پہاڑوں کا سلسلہ جو خراسان سے شروع ہو کے بحر خزر کے کنارے کنارے آذربائیجان تک پھر وہاں سے جنوب کی طرف عراق اور خوزستان تک پھر وہاں سے خورد وٹ لیا گذرتا ہوا سواحل روم کے ساحل تک چلا گیا ہے۔ اس پورے سلسلے میں باطنیوں کی قلعے کی مضبوطی سے قائم تھے۔ اور نقشے میں جو شخص اس سلسلے کو دیکھے گا وہ اندازہ نہ کر سکے گا کہ جو لوگ اس پورے کوہستان پر اول سے آخر تک قابض ہوا اُن کی قوت کس قدر خوفناک ہوگی۔

حسن کی کوشش جاری تھیں کہ محمد ابن کیا بزرگ مرگیا اور حسن نے تاج حکمرانی سر پر رکھا۔ بڑی آزادی کے ساتھ اپنے اصول جاری کرنا شروع کر دیے اس نے تخت پر قدم رکھتے ہی باطنیہ کے تمام صاحب اثر لوگوں کو قلعہ الموت میں بلوا کے جمع کیا اور مشہور کیا کہ بہت سے نئے رموز خاص بارگاہ امامت سے بتائے گئے ہیں۔ جن کا پوری اُمت پر ظاہر کرنا بہت ضروری ہے۔ اس حکم کے

ساتھ ہی لوگ جوق جوق اطراف و جوانب سے آنے لگے - اور قلعہ الموت میں اتنی خلقت جمع ہوگئی کہ اس سے پیشتر کبھی جمع نہیں ہوئی تھی - جبکہ تمام داعی اور نقیب بلکہ قریب قریب ساری قوم جمع ہوئی - تو رمضان کی ۱۷ تاریخ حسن بن محمد ممبر پر چڑھا - اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ کے درمیان میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا جس میں یہ مضامین درج تھے کہ حسن ہمارا نائب ہمارا داعی اور ہمارا نقیب ہے وہ تمام لوگ جو ہماری اتباع کرتے ہیں - اُنہیں ہر امر میں خواہ ظاہری ہو یا باطنی اُس کی فرمان برداری کرنی چاہیئے - اُسکے احکام کو منزل من اللہ اور اس کے الفاظ کو ملہم بالغیب سمجھیں وہ کام ہرگز نہ کریں جس سے وہ منع کرے اور جو وہ حکم دے اُسے اسی طرح بجا لائیں کہ گویا ہمارے ہی احکام ہیں یہ خط پڑھ کے حسن نے کہا کہ رحمت کے دروازے اُن سب لوگوں پر کھل گئے ہیں جو میری اطاعت کریں - تم خدا کے منتخب لوگ ہو لہذا تمام شرعی قیدیوں سے تم کئے گئے - اس خطبے کے بعد اُس نے بڑی دھوم دھام سے ایک دعوت کی جس میں لوگوں کے روزے توڑ ڈالے گئے - اور سب لوگوں نے سارا دن عید قرار دیا - اور اُسی دن طرح طرح کی آزادیوں اور شہوت پرستیوں میں بسر کیا - یہ دن اُسکے بعد سے باطنیوں کی عید قرار پایا - اور اُسی دن سے شراب حلال ہوگئی - تمام شرعی تکلیفیں اُٹھا دی گئیں اور علانیہ پکار دیا گیا کہ زبردستی کے امر و نواہی واجب التعمیل نہیں - یہی زمانہ ہے جب سے تمام مسلمانوں نے باطنیہ لوگوں کو ملا - یعنی بے دین کے لقب سے یاد کرنا شروع کیا -

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حسن سے فاطمی خلیفہ مصر مستنصر باللہ نے بروقت ملاقات کہا تھا - کہ میرے بعد میرا بیٹا نزار امام ہوگا - نزار کو مصر میں تو خلافت نہیں ملی - مگر حسن بن صباح اور اُس کے معتقدین اسوقت نزار ہی

کی امامت کے معتقد تھے۔ حسن بن محمد نے اپنے عہد میں یہ کمال کیا کہ اپنے آپ کو خود نزار کی نسل سے مشہور کر کے دعوائے امامت شروع کر دیا۔ اس کے نسب کے ماننے کے لئے یہ قصہ بیان کیا گیا کہ نزار بن المستنصر باللہ کا ایک چھوٹا بچہ خود حسن کے عہد میں قلعہ الموت میں آ کے سکونت پذیر ہوا تھا جس کے حال سے سوائے حسن کے اور کوئی واقف نہ تھا۔ اس نزاری الاصل سیدزادے نے یہاں شادی کی اور اُس کے بیٹے کے گھر میں اتفاقاً اسی روز بیٹا ہوا جس روز کہ محمد بن کیا بزرگ کے لڑکا پیدا ہوا تھا۔ دونوں لڑکے پوشیدہ ہی پوشیدہ بدل لئے گئے۔ اس طرح سے اپنے آپ کو نزاری الاصل ثابت کر کے حسن بن محمد نے امامت کی سند حاصل کی اور خود فاطمی بن گیا۔

حسن باوجودیکہ اپنے خاندان میں سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔

اُسے چار برس سے زیادہ سلطنت نہ نصیب ہوئی۔ خود اپنے سالے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اس کا بیٹا محمد ثانی باطنیوں کا بادشاہ ہوا تخت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے قاتل اور اُس کے خاندان کے تمام زن و مرد کو قتل کر ڈالا اور اس کے بعد علوم کی سرپرستی اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گیا۔ علم و فضل میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اور فلسفہ میں بہت اچھی بصیرت رکھتا تھا۔ اسی کے عہد کا واقعہ ہے۔ کہ امام فخر الدین رازی شہر رے میں وعظ کہا کرتے تھے اتفاقاً لوگوں میں خبر مشہور ہوئی کہ امام ممدوح خفیہ طور پر باطنیین کے معترف اور اُن کے ہم عقیدہ ہیں۔ اس خلاف واقعہ اتہام کی تردید کے لئے امام موصوف ایک دن ممبر پر چڑھے اور ایک تقریر کی جس میں عقاید اسماعیلیہ سے اپنی برأت ظاہر کی تھی۔ اور جوش میں آ کے چند سخت و سُست الفاظ باطنیین کے خلاف کہے۔ اُس کی خبر جب محمد ثانی فرمانروائے الموت کو

پہنچی تو اُس نے ایک فدائی کو سکھا پڑھا کے روانہ کیا۔ یہ فدائی آ کے امام رازی کے تلامذہ میں شریک ہو گیا۔ اور برابر سات مہینے تک کمال ادب سے اُن کے حلقۂ درس میں شریک ہوتا رہا۔ سات مہینے کے بعد ایک دن امام رازی اپنے حجرے میں تنہا تھے۔ خدام باہر گئے ہوئے تھے۔ شاگردوں میں سے بھی کوئی موجود نہ تھا۔ ایسی حالت میں موقع پا کے اُس فدائی نے امام ممدوح کو زمین پر دے مارا سینہ پر چڑھ بیٹھا اور خنجر گلے پر رکھ دیا۔

امام نے نہایت ہی خوف زدہ ہو کے پوچھا "آخر تم کیا چاہتے ہو" جواب ملا کہ تمہارا سینہ چاک کر ڈالوں" پوچھا "کیوں" کہا "اس لئے کہ تم اسماعیلیوں پر لعن وطعن کرنے سے باز نہ آؤ گے" امام نے نہایت عاجزی سے رحم کی التجا کی اور قسم کھا کے وعدہ کیا کہ پھر کبھی تمہارے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالوں گا۔ فدائی نے اُن سے دوبارہ عہد لیا پھر سینے سے اُٹھ کے کہا "اچھا اُٹھئے۔ مگر یہ نہ سمجھئے کہ میں نے ترس کھا کے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ مجھے حکم ہی اتنا ملا تھا۔ اگر قتل کی اجازت ہوتی تو میں بے پوچھے گچھے اُس وقت آپ کا کام تمام کر دیتا!" پھر بولا "ہمارے بادشاہ محمد بن حسن نے آپ کو سلام کہا ہے اور اُس کی خواہش ہے کہ قلعہ میں آ کے اُس سے ملئے۔ وہاں بے انتہا قوت آپ کے قبضے میں ہو گی۔ اور نہایت وفاداری کے ساتھ ہم آپ کی فرمانبرداری کریں گے۔ ہمارا بادشاہ کہتا ہے کہ عوام کے کہنے کی ہم کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ باتیں چند روز میں معدوم ہو جاتی ہیں مگر تم سے نامی گرامی فاضل گرانپایہ کے الفاظ بے شک ڈرنے کے قابل ہیں۔ اس لئے کہ وہ پتھر کے نقش ہو جاتے ہیں اور کبھی مٹائے نہیں مٹ سکتے" امام فخر الدین نے جواب دیا کہ مجھے الموت میں آنے کی تو جرات نہ ہو گی۔ مگر ہمیشہ تمہارے بادشاہ کا ممنون احسان

رہون گا - اور کبھی اُن کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکلے گا" اُس کے بعد
فدائی نے دو قیمتی تھان اور تین سو اشرفیان نذر کین - پھر کہا " یہ تنخواہ آپ کو
ہر سال ملتی رہے گی - اور حجرے سے نکلا چلا گیا - امام رازی نے آخر تک اُس عہد کو
نباہا - اور اسماعیلیون کی نسبت اُن کی وضع مین جو فرق آ گیا تھا - اُس نے
لوگون مین اشتباہ پیدا کیا - آخر ایک شاگرد نے اس کا سبب پوچھا تو اونھون
نے جواب دیا کہ مین اُن لوگون کو بُرا کہنا نہین پسند کرتا جن کی دلیلین کاٹ دار
ہے - اور جن کے ارادے بہت تیز ہین -

مگر اس عہد مین گو کہ ایران مین باطنیین کی قوت بڑھتی جاتی تھی - لیکن
ملک شام مین سلطان صلاح الدین کے فتوحات نے اُن کی قوت کو سخت
نقصان پہنچا دیا - صلاح الدین ہی وہ شخص ہے جس نے اسماعیلیت کے
مرکز اور بنی فاطمہ مصر کی خلافت کا دفتر اُلٹ دیا - جس سے فراغت کرنے کے
بعد ملک شام کو اپنے قبضہ مین لا کے وہ دین اسلام کا سچا حامی بن گیا اور اسکی
زندگی کا زیادہ حصہ یورپ کے پرجوش مجاہدون اور صلیبی حملون کے روکنے ہی مین
صرف ہو گیا - مگر اسماعیلیون کے نزدیک وہ اُن کے مذہب کا سب سے بڑا
دشمن تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف فدائی خنجر باندھ کے اُس کی جان لینے کو روانہ ہوگئے
شہر حلب کے باہر جبکہ وہ اپنے کیمپ مین اُترا ہوا تھا چار فدائی یکے بعد دیگرے
خنجر لے کے جھپٹے - مگر ہمیشہ ناکام رہے - ان مین سے بعض اس کے پاس پہونچ گئے
تھے جن کا ہاتھ خود صلاح الدین نے پکڑ لیا - الغرض صلاح الدین بالکل معجزنما
طریقے سے بچا اور وہی تھا جسے فدائیون کے اس کاری خنجر سے نجات ملی - مگر اِن
لوگون کے متواتر حملون سے وہ دل مین ایسا خائف تھا کہ اسماعیلیون کی سرزمین
سے واپس روانہ ہوا - اور شہر حلب کا محاصرہ اوٹھا لیا - جو شام مین باطنیون کا

مرکز تھا۔ اس کو باطنیوں نے غنیمت سمجھے اس لئے کہ انہوں نے صلاح الدین
کی جان پر کبھی حملہ نہیں کیا۔ صلاح الدین کی واپسی کے بعد رشید الدین ابوالحشر
جو سنان کے لقب سے مشہور تھا شام کے باطنیوں کا سردار قرار پایا۔ اس نے
خود پیغمبری کا دعوی کیا۔ ایک الہامی کتاب معتقدوں کے سامنے پیش کی
اور خود پرستی کے ذوق نے یہاں تک جرأت دلائی کہ اپنے آپ کو ایک اوتار یا
مظہر ایزدی بتانے لگا۔ باطنی لوگ اس کے نہایت ہی معترف تھے سنان نے
اپنا ایک سفیر بیت المقدس کے عیسائی بادشاہ اموری کے پاس بھیجا مگر
وہاں ایسی بدنظمیاں ہو رہی تھیں کہ متعصب عیسائیوں کے ہاتھ سے بری
طرح مارا گیا۔ سنان کی خواہش کے مطابق قاتل کے دینے سے بھی انکار کیا گیا
نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسماعیلیوں اور فلسطین کے حکمران عیسائیوں میں بگڑ گئی۔
پیشتر اسماعیلی لوگ مسلمان قوتوں کے خلاف عیسائیوں کا ساتھ دیتے تھے
اب خود عیسائیوں کے دشمن تھے اور فدائیوں کے خنجر یورپین سرداروں پر تیز
ہونے لگے جس طرح پہلے مسلمان سردار اور امیر فدائیوں کے ہاتھ سے قتل
ہو رہے تھے اسی طرح اب مسیحی سرداروں کی جانیں لی جانے لگیں۔

جن لوگوں نے حروب صلیبی کی تاریخ پڑھی ہے۔ ان کو معلوم ہے۔ کہ
تیسری صلیبی لڑائی کے وقت انگلستان کا رچرڈ شیردل اور فرانس کا فلپ
جب ارض مقدس میں پہنچے ہیں تو عورتوں کے تعلقات شہوت پرستی کے
جذبات اور کم ظرفی کے بغض و حسد نے دونوں کو ایک دوسرے کا دشمن
بنا دیا تھا۔ فلپ چند روز کے بعد فرانس کو واپس گیا۔ اور اپنی جگہ اپنے
بڑے سردار کنراڈ شہزادہ ٹائر کے مارکوئیس کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ کنراڈ ہمیشہ
رچرڈ کی کارروائیوں پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ اور ہر امر میں بادشاہ فرانس فلپ

کے منشا کے مطابق شاہ انگلستان کو ملزم ٹھیرایا تھا۔ اُس کی اس طرز عمل کو
چند ہی روز گذرے تھے کہ ایک دن کنراڈ شہر طائر کے بھرے بازار میں ایک
فدائی کے خنجر کا نشانہ بنا اور تمام مستند مورخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے
کہ اُس کا قتل شاہ رچرڈ کی خفیہ سازش کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ انگلش مورخین اپنے
بادشاہ کے دامن پر سے اس خون کے دھبے کے دھونے کی بہت کوشش
کرتے ہیں مگر خود عربی مورخین اور شام کے مسلمان فرمانرواؤں کو اس بات
کا پورا اعتراف تھا۔ کہ اسماعیلیوں کے سردار سنان کو موافق کرنے کی خود
رچرڈ نے کنراڈ کو قتل کرایا۔ اس سے بڑھ کے اس سازش کا کیا ثبوت ہو سکتا
ہے کہ خود باطنی لوگ معترف تھے کہ ہمیں شاہ رچرڈ نے اس کام پر مجبور کیا ہے۔
اسکے چند ہی روز بعد عیسائیوں کے خلاف فدائیوں کو اسقدر جوش پیدا ہو گیا
تھا کہ فریڈرک بار بروسہ یوروپ کا ایک نامی فرمانروا جب کہ شمالی اطالیہ
کے شہر میلان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ خاص یوروپ کے وسط میں ایک فدائی
کے خنجر سے مارا گیا۔ اور آخر تک پتہ نہ چل سکا کہ وہ فدائی اسپین سے آیا تھا
یا شام سے اُسے روم والوں نے رشوت دی تھی یا بغداد والوں نے۔
کنراڈ کے مارے جانے کے دو سال بعد کاونٹ شامپین ارض فلسطین
کے سفر کو گیا اور اثنائے راہ میں شہر سیات میں پہنچکے خاص سنان کا مہمان ہوا
یہاں اُسے قلعے کے دمدمے اور برج دکھائے گئے خصوصاً ایک برج جو
سب سے بڑا تھا۔ اُس کے ہر زینے پر دو دو سپاہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے
ان کو دیکھ کے باطنیوں کے حکمران نے اپنے مسیحی مہمان سے کہا "اس میں
کوئی شک نہیں کہ ہمارے سے فرمانروا سپاہی تمہیں نصیب نہیں ہو
سکتے۔" اس کے بعد اُس نے ایک زینے کی طرف اشارہ کیا اور اشارے کے ساتھ ہی

سپاہی جو وہاں کھڑے تھے نیچے گر پڑے اور اسی وقت مر گئے۔ یہ تماشہ دکھا کے سنان بولا" انہیں پر منحصر نہیں ہے جتنے سپاہی سفید کپڑے پہنے کھڑے ہیں اشارہ کروں تو سب اسی طرح گر کے جان دیدینگے۔ عیسائی بادشاہ نے کہا۔ مجھ پر منحصر ہے۔ شاید کسی تاجدار کو ایسی جانباز رعایا نہ نصیب ہو گی" کاونٹ شاٹپین سیات سے روانہ ہوتے وقت جب سنان سے رخصت ہوا تو معزز میزبان نے کہا" اگر آپ کا کوئی دشمن ہو تو بتا دیجئے۔ میرے فدائی بہت جلد اُسکا کام تمام کر دینگے"

الموت کے بادشاہ محمد دوم کو آخر اس کے بیٹے نے زہر دیدیا۔ جو باپ کے بعد تخت نشین ہو کے حسن ثالث کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصل یہ ہے کہ یہ حسن عقائد میں عام مسلمانوں کے موافق تھا۔ اور شریعت اسلام کی سچی پیروی کرتا تھا۔ باپ کی بے اعتدالیوں ہی نے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو تخت حکومت کو ایسے لامذہب اور فاسد العقیدہ حکمران سے خالی کرا دے۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے بڑے بڑے علماء و فضلا کو اپنے قلعہ میں مدعو کیا جس کے بعد نماز کے لئے صفیں اور درست کی گئیں۔ مسجدیں آباد ہو گئیں تعلیم قرآن کے لئے مدارس قائم ہوئے اس کے بعد حسن ثالث نے تمام مسلاطین کے پاس سفارش بھیجیں اور سب کو علانیہ لکھ بھیجا کہ میں شریعت اسلامیہ کا سچا پیرو ہوں۔ اور اسی اصلی دین کو اپنے قلمرو میں مروج کرنا چاہتا ہوں۔ قزوین کے بعض لوگوں کو اس کی راست بازی میں شک تھا۔ جنہیں اس نے یوں اطمینان دلایا کہ ان کے وکیلوں کو قلعہ میں بلوا کے عام جماعت کے سامنے حسن بن صباح کے بانئ طریقے کی تمام کتابیں آگ میں جلوا دیں۔ تخت نشینی کے دوسرے سال اُس نے اپنی ماں اور بیوی کو ایک بڑے

سازوسامان کے ساتھ حج کے لئے روانہ کیا۔ یہ شاہی جلوس جس فرمانروا کے قلمرو سے گذرتا بڑی قدرومنزلت کرتا۔ اور بڑی عزت سے پیش آتا۔ خود خلیفہ بغداد نے یہاں تک عزت کی کہ زبردست فرمانروائے خوارزم کے علم سے آگے الموت کا علم روانہ ہوا۔ اس کے بعد خود حسن نے ڈیڑھ سال کا ایک سفر کیا اور جس بادشاہ کے ملک میں گیا بڑی عزت کی گئی۔ ان کارروائیوں کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ کہ ساری دنیائے اسلام تو اس سے موافق تھی۔ مگر باطنی لوگ دشمن ہو رہے تھے۔ غالباً اسی دشمنی کی بنیاد سے زہر دیدیا گیا۔

اب الموت کے تخت پر مرحوم حسن ثالث کا بیٹا علاء الدین محمد جو ثالث کے لقب سے مشہور ہے۔ قابض ہوا محمد ثالث تخت نشینی کے وقت نو برس کا ایک بچہ تھا جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظامات تھا اگرچہ انہوں نے حسن ثالث کے قاتلوں کو قتل کر ڈالا مگر حسن بن صباح کے مذہب کی پھر اشاعت ہونے لگی۔ محمد ثالث اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں سخت بیمار ہوا کسی جاہل طبیب نے فصد تجویز کی۔ اور فصد میں یوں اتنا خون لے لیا۔ کہ نوعمر بادشاہ کا دماغ ہمیشہ کے لئے خراب ہو گیا۔ اور اُسکی یہ حالت تھی کہ مونسب اور بیفکریوں میں پڑ گیا۔ اور مہمات سلطنت کے متعلق اگر کوئی کبھی ایک لفظ بھی زبان سے نکالتا۔ تو فوراً قتل کیا جاتا۔ مجبوراً یہ طرز اختیار کیا گیا کہ کل امور بادشاہ سے چھپائے جاتے اور کسی کو قریب جانے کی جرات ہی نہ ہوتی تھی۔ بادشاہ کی اس حالت اور مہمات سلطنت کی بے نظمی نے اگرچہ ان دنوں باطنیین کی قوت کم کر دی تھی لیکن فدائیوں کا جوش اس ضعف کے زمانے میں بھی ہمیں ویسا ہی نظر آتا ہے۔

اسی عہد کا واقعہ ہے کہ سلطان خوارزم نے کسی بات پر خوش ہو کر نیشاپور

اور اس کے گرد کے ضلاع امیر آرخان کو دیئے تھے - آرخان کسی دور کی مہم پر گیا ہوا تھا - اور جو شخص اوسکی قایم مقامی کر رہا تھا - اس نے باطنیین کے قلمرو پر حملہ کر کے بعض گاؤن لوٹ لئے فوراً الموت سے ایک سفارت گئی اور اس بے اعتدالی کا جواب طلب کیا گیا - مگر سفیرون پر یہی کے ساتھ بجائے ان کے اس لفظون مین جواب ملے - اشارات مین یہ ظاہر کیا گیا کہ اس کے سامنے چند خنجر لا کے ڈال دئے گئے اور سپرد دربارہ الموت اور برہم ہوا - فوراً چند فدائی بھیجے گئے - جنہون نے اس مہم مین آرخان کا کام تمام کر دیا -

یہ پر جوش فدائی آرخان کی جان لینے کے بعد بجائے اس کے بھاگنے کا ارادہ کرین اپنے خون آلود خنجرون کو بلند کئے ہوئے شہر کے بازارون مین نکلے اور باطنیین کے بادشاہ علاء الدین کی سطوت و جبروت کا حال چلا چلا کے بیان کرتے جاتے تھے - انہون نے علانیہ یہ بھی دعوی کیا کہ ابھی ہمین سلطان خوارزم کے وزیر سے انتقام لینا باقی ہے یہ کہتے ہوئے وزیر کے محل مین گھسے اور اُسے ڈھونڈہنے لگے مگر اتنی دیر مین شہر والون نے ایسی یورش کر دی کہ انہین ڈھیلے مار مار کر ہلاک کر ڈالا جسوقت یہ واقعہ پیش آیا - اُسی وقت بدر الدین احمد نامی الموت کا ایک اور سفیر وزیر سے ملنے کو آ رہا تھا - راستے مین اُسے اپنے فدائیون کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا تو وہین ٹھیر گیا اور خط لکھ کے وزیر سے دریافت کیا -

اب تمہارا کیا منشا ہے مین آؤن یا واپس جاؤن وزیر آرخان کے مارے جانے اور اپنی جستجو کے واقعات دیکھ کے ایسا سہم گیا تھا - کہ فوراً اُس نے سفیر کو امن و امان کے ساتھ بلوایا بے انتہا خاطر و مدارات کی اور شرائط صلح سننے سے پیشتر وعدہ کر لیا - کہ آپ جو فرمائین مجھے منظور ہے - آخر ان دو باتون پر صلح ہوئی

کہ جنگ وپیکار کا خاتمہ ہوا۔ اور قلعہ دامغان باطنیون کے فرمانرواکے ہاتھ بیچ ڈالا جائے یہ سفیر شرائط صلح طے ہوجانے کے بعد بھی چند روز تک مہمان رہا۔ ایک دن وزیر کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ باتون مین کہنے لگا ہمارے دوستون اور ہمارے خادمون سے بہت کم کوئی جگہ خالی ہے۔ خود آپ کے درباریون اور محافظون مین ہمارے بہت سے فدائی موجود ہین۔ وزیر نے گھبرا کے پوچھا۔

”وہ کون لوگ ہین؟“

اور اس کے ساتھ ہی اپنا رومال باطنی سفیر کی طرف پھینکا جس کا مطلب یہ تھا کہ مین اونہین پناہ دینے کا وعدہ کرتا ہون۔ وزیر کا رومال پھینکنا تھا۔ کہ خود اُس کے پانچ ملازمون مین سے پانچ آدمی بڑہ کے آگے آئے اور بولے۔

”ہم باطنی فدائی ہین۔“

ان مین سے ایک فدائی ہندوستانی شخص تھا جس نے اپنے ساتھیون سے قدم آگے بڑہا کے کہا۔ اسی دن اور اسی وقت ہین تمہین قتل کر ڈالتا۔ مگر ایسا ارادہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ ابھی تک مجھے تمہارے قتل کا حکم نہین ملا ہے۔“

یہ سنتے ہی وزیر سر سے پاؤن تک کانپ گیا اور گھبرا کے خود اپنے آپ کو اُن ملازمون کے قدمون پر گرا دیا۔ اور التجا کرنے لگا۔ کہ میری جان نہ لینا۔ مین قسم کھاتا ہون کہ ہمیشہ اپنے آپ کو تمہارے بادشاہ کا ایک ادنیٰ غلام سمجھون گا۔“ بدرالدین نے اُس کی یہ حالت دیکھ کے اُسے تسلی دی اور رخصت ہو کے الموت روانہ ہوگیا۔

ان واقعات کی خبر جب سلطان خوارزم کو پہونچی تو اپنے وزیر کی اس بزدلی پر نہایت برہم ہوا۔ اور ایک خط کے ذریعے سے بہت کچھ لعنت ملامت کی۔ اور حکم دیا کہ میرا خط پہنچتے ہی وہ پانچون اسماعیلی باطنی پکڑ کے زندہ آگ مین جلا دیے جائین۔ سلطان کے حکم سے انحراف نہین کیا جا سکتا تھا۔ مگر واقعی اسوقت کا

سین عجیب و غریب تھا۔ وزیر باطنیین کے خوف سے ڈر رہا تھا۔ اپنی بدعہدی پر رو رہا تھا۔ مگر اسماعیلی جو لوگ کے شعلوں میں جل رہے تھے۔ جوش و خروش سے نعرہ ہائے مسرت بلند کر رہے تھے کہ ہمیں شہادت نصیب ہوئی اور اسکے ساتھ علاء الدین محمد ثالث کی مدح سرائی کرتے جاتے تھے۔ جب یہ خبر التمونت میں پہنچی تو وہاں سمجھ لیا گیا کہ اس امر میں وزیر کو بہت کم دخل ہے۔ مگر خفیہ طور پر اوسے لکھا گیا کہ تم نے ہمارے پانچ جان نثاروں کو آگ میں جلایا ہے۔ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو ان میں سے ہر ایک کی جان کا معاوضہ میں دس ہزار اشرفیاں روانہ کرو۔"

وزیر نے اس جرمانہ کو بہت غنیمت سمجھا باطنیوں کے سفیر کی بڑی قدر و منزلت کی اور صرف وہ جرمانہ ہی نہیں روانہ کیا بلکہ وہ رقم بھی واپس کر دی جو قلعہ دامغان کی فروخت میں فرمانروائے التمونت سے موصول ہوئی تھی۔

۶۵۴ھ میں شاہ التمونت علاؤ الدین محمد بھی اپنے خادم کے ہاتھ سے قتل اور اس کا بیٹا رکن الدین خورشاہ تخت نشین ہوا۔ یہی شخص باطنیوں کا آخری بادشاہ ہے تخت نشینی کے وقت بہت کم سن تھا سلطنت کے انتظام جو علاؤ الدین کے وقت سے بگڑ گئے تھے اوسکے سنبھالے نہیں سنبھل سکے۔

اور غضب یہ ہوا کہ عین اسوقت جبکہ باطنیین کی سلطنت ضعیف ہو رہی تھی تاتاریوں کا ٹڈی دل مشرق سے ایک سخت طوفان کی طرح اوٹھا اور ہلاکو خان کا لشکر ممالک ایران و عراق کے برباد کرنے کو روانہ ہوا۔ تاتاریوں کے تخت پر ان دنوں منقو خان جلوہ افروز تھا۔ اور بھائی کا جھنڈا ہلاکو خان کے ہاتھ میں تھا۔ بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ باطنیین نے خود اپنی تاتاریوں کو چھیڑا۔ اور ان کے شاہی خاندان پر حملے کئے۔ مگر عام مورخین کا بیان ہے

کہ باطنیین کے ظلم و ستم سے لوگ اس قدر چیخ اُٹھے تھے۔ کہ معتصم باللہ خلیفہ بغداد
اور شہر قزوین کے معزز لوگون کی طرف سے تاتاریون کے شہنشاہ کو لکھا گیا کہ باطنی
لوگ ڈیڑھ برس سے سارے ایشیا کو تباہ کر رہے ہین۔ اور اون کا استیصال ہمارے
امکان سے باہر ہے ان سفارشون کے پہنچتے ہی منقول خان فوج کشی پر آمادہ
ہو گیا۔ اپنے بھائی ہلاکو خان کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ کیا
اور رخصت کرتے وقت یہ کلمات کہے کہ مین تمھین ایک بڑے زبردست لشکر
اور سوارون کی جانباز جماعت کے ساتھ روانہ کرتا ہون۔ یہ ایسے بہادر سپاہی
ہین جن سے بہتر سارے توران و ایران مین نہین مل سکتے۔ خبردار ہر امر مین
چنگیزی رسوم و آئین کی پیروی کرنا اور دولت مغول کے قلمرو کو دریاے جیحون
سے بڑھاتے بڑھاتے دریاے نیل تک پہنچا دینا۔ جو لوگ اطاعت و فرمانبرداری
کرین اور اپنی قسمت تمھارے ہاتھ مین دیدین۔ اُن کے ساتھ مراعات
کرنی چاہیئے۔

مگر جو مزاحمت کرین۔ خبردار اُن کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہ کی جاوے
اونھین معہ زن و فرزند کے قتل کرنا باطنیین کے استیصال کے بعد تمھین عراق
کی مہم سر کرنا ہے اگر خلیفہ بغداد اطاعت کرے اور تمھاری پناہ مین آنا چاہے
تو اوس پر مہربانی ہو۔ لیکن اگر اُس سے سرتابی ظاہر ہو تو اوس کا بھی وہی حال
ہو جو اوروں کا ہوگا۔

ان دنون خواجہ نصیر الدین طوسی رکن الدین خورشاہ کے وزیر تھے۔ اُن کے یہان پہنچنے
کا یہ سبب ہوا۔ کہ جب علوم ریاضیہ مین اونکے علم و فضل کی بے انتہا شہرت ہوئی تھی۔ تو
اونھون نے دربار خلافت کے خوش کرنے کے لئے اپنی ایک بے انتہا تصنیف کے خطبہ مین
المستعصم باللہ کا نام درج کیا اور خلیفہ کو اپنا مربی بنانے کے لئے کوشش کی المستعصم

ابتداً اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

مگر ابن علقمی کو جو مستعصم باللہ کا وزیر تھا۔ خواجہ نصیر الدین طوسی سے عداوت تھی اُس نے خلیفہ کے برہم کرنے کے لئے یہ اعتراض کیا کہ آپ کے نام کے ساتھ اس کتاب میں "خلیفۃ اللہ علی ارضہ" کا لفظ نہیں لکھا گیا ہے۔ یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ جاہل و ناعاقبت اندیش خلیفہ بہت برہم ہو کے بولا۔

معلوم ہوتا ہے مصنّف سخت بے عقل ہے" اور وہ کتاب دریائے دجلہ میں پھکوا دی خواجہ نصیر الدین طوسی کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا اُسی وقت سے انتقام پر آمادہ ہو گئے اور خلیفہ بغداد کے ہاتھ سے امن پانے کے لئے الموتت کے دربار میں پناہ لی۔ یہاں اُن کی ایسی قدر و منزلت ہوئی کہ وزیر سلطنت بنائے گئے۔ لیکن چند روز میں جب انہیں نظر آیا۔ کہ انکی خواہش کے پورا کرنے پر الموتت کا بادشاہ چنداں مستعد نہیں اور اُس کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ اس نازک زمانے میں سب سے زبردست سرپرست ہلاکوخان ہو سکتا ہے تو فرمانروائے الموتت سے بھی بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو گئے اور کوشش شروع ہو گئی کہ باطنیین کے قلعوں پر تاتاریوں کی حکومت ہو جائے۔

الغرض خواجہ نصیر الدین طوسی کی کوششوں اور تاتاریوں کے زبردست حملوں نے باطنیین کی ڈیڑھ سو برس کی مضبوط اور خوفناک سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اور دنیا کو اُن چھری بند فدائیوں کے دست ستم سے نجات ملی۔ جنہوں نے ایک صدی سے زیادہ زمانے تک دنیا کو عجیب مصیبت میں مبتلا رکھا۔

جس زمانے میں ہلاکوخان کے ساتھیوں نے ایران میں باطنیین کا خاتمہ کیا اوسی زمانے کے قریب ہی مصر کے سلطان بیبرس نے شام کے اسماعیلیوں کا

استیصال شروع کر دیا۔ آخر یہ نتیجہ ہوا کہ فدائی ہونا ساری اسلامی دنیا میں جرم
قرار پا گیا۔ اور اُس مذہب کا جو شخص جہاں ملا بلا تکلف قتل ہونے لگا۔ سلطنتوں
کی رعایا بھی اُن کی دشمنی پر اٹھ کھڑی ہوئی اس لئے کہ کوئی نہ تھا جس کے دل
کو انسان کش ٹھگوں کے ہاتھ سے صدمہ نہ پہونچا ہو۔ آخر متواتر قتل اور خونریزی
نے فدائیت کی چھری ہمیشہ کے لئے کُند کر دی۔

اور بعد کے زمانوں میں دیکھنے سے یہ تو بیشک ثابت ہوتا ہے کہ تھوڑے
بہت باطنی اور اسماعیلی ارض شام و عراق اور نیز ایران میں موجود تھے۔ مگر وہ
فدائیت کا جوش ایسا فرو ہوا کہ گویا اس مذہب کو اس سے تعلق ہی نہ تھا۔

تیمور لنگ جب فتح و نصرت کے بعد پھریرے اُڑاتا ہوا ارض مازندران میں داخل
ہوا تو اُس نے بھی وہاں بہت سے اسماعیلی پائے جو قدیم باطنیوں کے یادگار تھے
اور ہلاکو کی خون آشام تلوار سے بچ رہے تھے۔ یہی نہیں آل عثمان کے تاجداروں
نے جب عرب کے جنوبی بلاد یمن کو فتح کیا ہے۔ تو وہاں بھی بہت سے اسماعیلی
آباد نظر آئے۔ عرب کے ساحلی ملکوں یعنی حضرموت عمان اور جزیرہ بحرین میں
اسماعیلیت کی جڑ بہت دنوں پہلے سے قائم ہو چکی تھی۔ اس لئے کہ ان مقامات
میں ہمیشہ ان لوگوں نے پناہ لی جو خلافت بغداد کے خلاف تھے اور فاطمی
خلفا کی طرفداری کا دعوی کرتے تھے۔ سب کے سب پہلے قرامطہ نے اسی مذکورہ
دعوت کے ساتھ عوام کو ایک روپوش غائب امام کا دلدادہ بنایا۔ جو اگر سچ
پوچھئے تو پہلے اسماعیلی تھے۔ اور جب کبھی اونہیں یہاں بھی پناہ نہ ملتی۔ تو
جہازوں پر سوار ہو کے ارض سندھ میں آ جاتے تھے۔

سندھ خلافت عباسیہ کے ماتحت ہونے کے پہلے تو اوسی مذہب کا پابند تھا۔
جو ساری اسلامی دنیا کا مذہب تھا۔ مگر جب بغداد اپنے توابع کی نگرانی نہ کر سکا اور

اس کے ماتحت صوبجات بڑی تیزی کے ساتھ آزاد ہونے لگے - تو یہاں عمان
و بحرین کے اسماعیلیوں کی کثرت آمد و رفت ہوئی اور اسماعیلیوں کا مذہب یہاں
یہاں کا عام مذہب ہونے لگا۔ مسعودی ابن خرداذبہ - ابن حوقل - ابو اسحٰق -
اصطخری - اور علامہ بشاری کے سفرناموں کو اگر ترتیب سے رکھا جائے -
تو صاف نظر آجاتا ہے کہ اسماعیلی مذہب آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے کس طرح
سندھ کے تمام مسلمانوں کا مذہب بن گیا تھا -- دو مقام یہاں کے مرکز تھے
اور ان ہی کے لحاظ سے یہاں دو چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں - ایک کا مستقر
ملتان تھا - اور دوسری سلطنت کا دار الحکومت سندھ کا شہر منصورہ تھا جس کا اب
کہیں پتہ نہیں ملتا -

مذکورہ سیاحوں کے بیان سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ملتان تو پہلے ہی اسماعیلی
مذہب کا پیرو ہو چکا تھا - مگر منصورہ کی ریاست نے بھی خلافت بغداد کے مذہب
کو چھوڑ دیا اور دونوں جگہ کی مسجدوں کے خطبے میں مصر کے خلفائے بنی فاطمہ
کا نام شامل ہو گیا اذان میں کلمہ "اشہد ان علیا ولی اللہ" بڑھ گیا اور آخر
مذہب کی یہاں تک ترقی ہوئی کہ گویا یہاں خلفائے مصر کا عمل رہا تھا -
ہندوستان کے مورخین ابھی تک سندھ کے اس دور کے حالات سے ناواقف
ہیں - جو بے سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے تاریخ الفنسٹن کے نقش قدم پر چلے
جاتے ہیں - اور نہیں جانتے کہ تحقیق نے اس خیالی دفتر کو الٹ دیا - جو
الفنسٹن کی غلط بیانی تمام سرکاری مدارس میں پھیلا ہوا ہے - اب اس سے
بڑھ کے کیا ہوگا - کہ ہمارے مخدوم و مکرم خان بہادر مولانا مولوی ذکاء اللہ
صاحب بھی اپنی مستند تاریخ کو اس غلطی سے ناپاک کر سکیں -
جب ابوالفتح سے سلطان محمود نے ملتان کو چھینا وہ ملتان کے اسماعیلی

شاہی خاندان کا پچھلا وارث تھا ۔ اسماعیلیوں خاصًا باطنین کو اہل عجم ملاحدہ
کے لقب سے یاد کرتے تھے ۔ اور اسی وجہ سے وہ سندھ کے سمرنا خاندان کے
بادشاہوں کو جس میں غالبًا ابوالفتح تھا ۔ ملاحدہ کہتے تھے ۔ مگر ہمارے مستند
مورخ مسٹر الفنسٹن اس ملاحدہ کے لفظ سے لغوی معنوں پر خیال کرکے سمجھ گئے ۔
کہ اس سے ہندو مراد ہیں اور خیال کیا کہ سمرنا والے لوگ ہندو تھے ۔ پھر راجپوتوں
کے خاندان کی فہرست میں ڈھونڈھ کے کسی قوم کا ایسا نام نکال دیا ۔ جو سومرہ
لفظ سے ملتا جلتا تھا ۔ اور دعوی کر دیا کہ سومرہ راجپوتوں نے مسلمانوں کو سندھ
سے مار کے نکال دیا اور خود حکمران ہو گئے ۔ حالانکہ اگر ذرا بھی تحقیق سے کام
لیا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ سندھ پر عربوں کے تسلط کے بعد پھر کبھی
ہندوؤں کی حکومت نہیں ہوئی ۔ اس لیے کہ خلافت کے بعد سومرہ قابض
ہوئے جو اسماعیلی اور باطنی فرقہ کے مسلمان تھے ۔ پھر ان سے اس ملک کو محمود
غزنوی نے چھینا جس کے بعد سے انگریزی حکومت تک ہمیشہ مسلمانوں ہی کا
تسلط رہا ۔

جن لوگوں نے تاریخ فرشتہ میں سلطان محمود غزنوی کی فتح ملتان کا حال پڑھا
ہے ۔ انہیں یاد ہوگا ۔ کہ محمود کی روانگی کی خبر سنتے ہی ابوالفتح نے وطن اور
حکومت کے چھوڑنے کا ارادہ کر دیا ۔ اور اپنے تمام عزیزوں اور دوستوں کو
ساتھ لے کے اور ہاتھیوں پر بٹھا کے ارض سراندیب کے ارادے سے جنوب
کی طرف روانہ ہو گیا تھا ۔ جہاں سے پھر اسے کبھی واپس آنا نہ نصیب ہوا ۔ اور
اسکی سلطنت ہمیشہ کے لیے ایرانی وطن کی فاتحین ہندوستان کے قبضہ میں آ گئی
آج کل کے قریب قریب تمام مورخین متحیر بلکہ اس تاریخی معمے کے حل کرنے
سے عاجز ہیں ۔ کیونکہ بہت مدت ہائے دراز سے کابلی اور اطراف گجرات میں آباد

ہین یہ یہان کب اور کیون کر آئے یہ مسئلہ یہان تک لاعلمی مین پڑ گیا ہے کہ خود بوہرے بھی جو درحقیقت مذہب اسماعیلیہ کے پیرو ہین۔ اس کا جواب دینے سے عاجز ہین وہ خود اپنے آپ کو نومسلم تسلیم کرتے ہین۔ اور کبھی زیادہ تجسس سے پوچھا جائے تو ایک کہانی کی طرح یہ مختصر قصہ سنا دیتے ہین کہ بہت زمانہ ہوا۔ ہمارے مذہب کے ایک بڑے عالم بزرگ سواحل ہند پر آئے تھے۔ اونہین کی کوشش سے ہم سب مسلمان اور اس مذہب کے پیرو ہو گئے۔

شاید ایسے کوئی بزرگ بھی آئے ہون۔ مگر صحیح یہ ہے کہ بمبئی کے اسماعیلیون یا بوہرون مین سے اکثر خاص عربون کی اولاد ہین اور اونہین لوگون کی نسل مین جو ابوالفتح ساتھ سلطان محمود کے خوف سے بھاگ کے جنوب کی طرف گئے اور گجرات کو امن و امان کی جگہ دیکھ کے آباد ہو گئے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ عرب تاجر ہندوستان مین عموماً عمان و حضرموت سے آیا کرتے تھے اور قدیم الایام مین اُن ممالک کے تمام لوگ اکثر مذہب اسماعیلیہ کے پیرو ہین اور اسماعیلیت ان ممالک مغرب کا عام مذہب بن گئی تھی اور یمن مین حکمران آل عثمان کے زمانے تک اس مذہب کا پتہ لگتا ہے۔ لہذا وہان سے بھی جو سیاح و سوداگر آئے ہونگے۔ اُن سے بھی بعض لازمی طور پر اس مذہب کے پابند ہون گے۔ ان امور سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ بوہرے ہندوستانی الاصل نہین۔ بلکہ اون کی زیادہ جماعت خاصاً عربون کی نسل سے ہے جو یا سندھ سے نکل کے گجرات مین آئے یا سیدھے ممالک عرب سے۔

الغرض اس طریقے سے اسماعیلیون اور باطنیون کا مذہب ہندوستان مین آیا۔ اور آج تک پوری قوت کے ساتھ موجود ہے ہندوستان کے یہ تجارت پیشہ اسماعیلی اس اصول کو پوری قوت کے ساتھ مانتے ہین۔ کہ ہر ظاہر کا ایک باطن

ہے اور اصل وہی ہے جو باطن ہو اس کے ساتھ ان مین اپنے چھپانے اور اپنے
اصول کو غیرون سے محفوظ رکھنے کی پوری پابندی کی جاتی ہے - ہزار پوچھیے کبھی نہ
بتائین گے کہ اون کے کیا عقائد ہین یا اون مین اور دیگر فرقہ اسلامیہ کے عقائد مین
کیا فرق ہے - مگر فدائیت کا جوش جب سے فرو ہوا - پھر کبھی ظاہر نہین ہوا - ہندوستان
مین ان لوگون نے ہمیشہ امن وامان کی زندگی بسر کی اور آج انگریزی سلطنت
کے ماتحت نہایت آزادی کی زندگی بسر کر رہے ہین -

یہین نہین ان کے مذہبی بھائی ہند ایران وشام مین بھی اسوقت موجود
ہین - مگر ایران مین حتی الامکان اپنے آپ کو چھپاتے ہین اور شام مین بدوی قبائل
عرب کی طرح سرکش اور سلطنت کے باغی بنے ہوئے ہین - ایران والے چند روز
پیشتر تک دعوی کرتے تھے - کہ اون کا امام اسوقت تک موجود ہے - جو شاہ خلیل
کے نام سے یاد کیا جاتا ہے - اور خاص اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی نسل
سے ہے وہ شہر قم کے پاس مقام خنج مین رہتا ہے - اور اس سے اکثر کرامات و
خوارق عادات بھی ظاہر ہوا کرتے ہین - ایک انگریزی مورخ کا بیان ہے کہ ہندوستان
کے اسماعیلی یعنی بوہرے بھی اکثر اوسکی زیارت و بیعت کو وہان پہونچا کرتے ہین -

شام کے اسماعیلی فی الحال تین فرقون پر بٹے ہوئے ہین - سویدانی خضروی
اور دروز سب سے زیادہ جماعت دروزی کی ہے جنھون نے حسن بن صباح کے
اصول کو چھوڑ کے ایک نیا مذہب بنا لیا ہے - اس مذہب کی ابتدا یون ہوئی -
کہ گیارہوین صدی عیسوی مین خلفائے بنی فاطمہ مصریین سے الحاکم بامر اللہ نے جب
پرانے خیال کے مسلمانون پر بے انتہا مظالم کر کے تمام مخالف قوتین توڑ دین - تو
اوس کے اشارے یا اوسکی ہیبت وجبروت نے خاص اوسکی نسبت ایک خیال
پیدا کیا جس کا ظہور یون ہوا کہ محمد بن اسماعیل نام ایک شخص نے دعوی کیا - کہ خلیفہ الحاکم

خداوند جل وعلا کا ایک مظہر کامل ہے۔ جس اصول سے خلیفہ کی ذات میں ایک شان الوہیت بتائی۔ اور اسے ایک پورا دیوتا ثابت کیا۔ یہ خوشامد آمیز عقیدت الحاکم کو ایسی پسند آئی۔ کہ اس کی تصدیق ہی نہیں کی۔ بلکہ حکومت کے زور سے اور لوگوں کو بھی اس عقیدے کا پتہ بتانے لگا۔ اور اس طریقے سے جو لوگ محمد بن اسماعیل کے ہم عقیدہ بنائے گئے۔ ان لوگوں نے دروز کا خطاب دیا۔

انگریزی مورخ مسٹر ڈبلیو۔ سی ٹیلر مصنف کتاب "ہسٹری آف محمڈنزم اینڈ اٹس سکٹس" "تاریخ اسلام و فرق اسلام" لکھتے ہیں کہ "دروز" کا لفظ عربی لفظ درز سے نکلا ہے جس کے معنی "مسرت" کے ہیں۔ ہمیں بدنصیبی نے درز کے یہ معنی کہیں نظر آئے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ شاید انہیں لفظ درز سے دھوکا ہوا۔ اسلئے کہ بے شک درز کے معنی عربی میں مسرت کے ہیں۔ شاید لکھنے والا ذال کا نقطہ بھول گیا اور وہ سمجھ گئے کہ درز کے یہ معنی ہیں۔ درز عربی میں کپڑے کو کہتے ہیں۔ اور جب اس کا استعمال انسانوں کی طرف کیا جاتا ہے۔ تو درزی یا ذلیل طبقے کے لوگوں میں یہ عقیدہ رواج پذیر ہوا۔ لوگ انہیں درز کہنے لگے۔ مگر آخر اس نام کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ خود اس مذہب والوں نے بھی اپنے لئے یہ لقب تسلیم کر لیا۔ اگرچہ وہ اپنے تئیں موحد کے لقب کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ان کے کہتے ہیں توحید کو صرف ہمیں نے سمجھا ہے۔ اس مذہب کا سب سے بڑا داعی اور رواج دینے والا حمزہ بن علی نام ایک شخص تھا۔ جس کے خطوط تبلیغ کا ایک مجموعہ یورپ میں چھپا ہے۔ یہ مجموعہ کتاب الدروز کے نام سے مشہور ہے اور فرقہ دروز میں قرآن سے زیادہ مقبولیت وقعت رکھتا ہے۔ حمزہ نے فرقہ والوں کے لئے یہ اصول پیش کیا کہ محمد صلعم صرف قرآن کی تنزیل میں ظاہری و لغوی معنوں کو سمجھ سکے تھے۔ ان کے اصطلاحی اصلی اور مرادی معنی صرف

کہ بامر اللہ ہی سمجھا۔ جس میں شان الوہیت پائی جاتی تھی۔ حمزہ بڑا زبردست خطیب اور نہایت ہی فصیح شخص تھا جس کی قوت سے اس نے شام کے بہت لوگوں کو اپنا ہم خیال وہم عقیدہ بنالیا۔

دروز کا واقعی یہ عجیب اعتقاد ہے کہ قرآن کی حقیقت اور اس کے بذریعہ وحی کے تو معتقد ہیں۔ مگر آنحضرت صلعم کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یہ مذہب قوت پکڑ چکا تھا۔ کہ خلیفہ الحاکم اپنے جور وظلم کے نتیجہ اور خود اپنی بہن ست الملک کی خفیہ سازش سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر مار ڈالا گیا۔ جہاں وہ وحی اور خدا کا پیغام لانے کے لئے جایا کرتا تھا۔ اسکی لاش چند روز تک مخفی رہی جس کے سبب سے اسکے معتقد یعنی دروز نے دعویٰ کیا کہ وہ زندہ جنت میں چلا گیا اور چند روز کے بعد آکے ابدی سلطنت کرے گا۔ دروز کے عقائد ان کی مندرجہ ذیل تحریر سے ظاہر ہو جائیں گے۔

وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے سردار حاکم رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت ہمارے سردار حاکم عزّ اسمہٗ اسمٰعیل کے بیٹے تھے جو کہ علی ابن ابی طالب کی نسل سے تھے اور انکی والدہ بھی فاطمہ بنت محمدؐ بن عبداللہ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تھیں۔ مصر میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۱ سال چھ مہینے قیام کرکے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ روانگی (یا غیبت) سے پیشتر انہوں نے ایک مقدس فرمان لکھ کے مسجدوں میں لٹکوا دیا تھا۔ ہمیں امید ہے کہ اگر انکی مرضی ہوئی تو چند ہی روز بعد پھر دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اور ابدالآباد تک فرمان فرمائی کرتے رہیں گے۔ نیز وہ لوگ جنہوں نے اُن کے دعویٰ توحید کو قبول کیا۔ اور نیز وہ جنہوں نے نافرمانی کی غرض تمام مذہبوں کے پیرو اس حکومت میں آویں گے زیر فرمان ہونگے۔ مخالفین یا بہ زنجیر کئے جاویں گے۔ سالانہ جزیہ ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور اس امر کے

پابند کئے جائیں گے کہ مذہبی امتیاز کے لئے ایسا لباس یا کوئی خاص علامت بنا لیا کریں۔ تاکہ فوراً پہچان لئے جائیں۔ لیکن موحدین یعنی حاکم کے پیرو دین غیر منتہی زمانہ تک ہمیشہ حکمرانی کرتے رہیں گے۔ ہم ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد بن عبداللہ (آنحضرت صلعم) کے بعد ایمان کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے۔ ان باتوں کے بعد آنحضرت صلعم بہت کچھ بُرے اور سست ناموں سے یاد کئے گئے ہیں۔

جس فرمان کا ذکر اس تحریر میں ہے اس کی اصلیت یہ ہے کہ حاکم کے مارے جاتے ہی ایک تحریر مصر کی کسی مسجد میں آویزان ملی جس کی پیشانی پر لکھا تھا۔ عقائد نامہ یعنی وہ عقائد جو حاکم نے پیروں کے لئے تجویز کئے تھے۔ یہ عقائد نامہ جو اس مذہب والوں میں فرمان کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ فوراً دروزیوں میں پھیلا اور اُن کے مذہب کا اصلی معتقد علیہ قرار پا گیا۔ حاکم نے اس عقائد نامہ میں پہلے اہل مصر پر اپنے احسان جتائے ہیں۔ سب کو جہالت کا الزام دیا ہے اور مایوسی ظاہر کی ہے کہ وہ اس قابل کبھی نہیں کہ اُن پر رموز توحید آشکارا کئے جائیں۔ اور قرآن کے باطنی معنی اون کی سمجھ میں آئیں۔ دروز اس فرمان کی قرآن سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں۔ اور اس کے سامنے احکام قرآنی کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔۔۔

اگر غور سے دیکھا جاوے تو مسلمانوں میں عجیب فرقہ ہے جس نے اپنے آپ کو قریب قریب اسلامی شعار اور قومی قیدوں سے آزاد کر لیا ہے۔ نہ ختنہ کرتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں۔ شراب بے تکلف پیتے ہیں۔ سور کا گوشت کھانے میں بھی کسی قسم کا تامل نہیں کرتے۔ اور ازدواج و نکاح کی بہت سی رسموں اور قیدوں میں بھی شریعت اسلامیہ کا کچھ پاس و لحاظ نہیں رکھتے۔ یہی اسباب ہیں کہ مشہور عربی سیاح ابن بطوطہ بعض شام میں غالباً انہیں لوگوں کو دیکھ کے حیرت میں آ گیا۔ وہ کہتا ہے کہ ان کی مسجدیں ویران پڑی ہیں جن میں کوئی اذان نہیں دیتا

نہیں دیتا اور اگر کوئی مسافر مسجد دیکھ کے ٹھہر جائے اور اذان دے تو اس سے کہتے ہیں - گدھے کی طرح کیوں شور کرتا ہے - چپ دانہ چارہ مل جائے گا -

اُن کی مسجدیں عموماً پہاڑی کی چوٹیوں پر بنائی جاتی ہیں اور جیسا کہ ہمیں ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوا - آج بھی سب ویران پڑے ہیں - اور اس ویرانی کے ساتھ یہ قید ہے کہ سوائے خاص خاص لوگوں کے کوئی جانے نہیں پاتا - معبدوں یا مسجدوں کے اندر بچھڑے کی ایک صورت کپڑوں کی اوڑھائی لپیٹی رکھی تھی - جو امام غائب کی نشانی سمجھی جاتی ہے اور عام طور پر اس کی نہایت ہی تعظیم کی جاتی ہے یہ صورت کبھی کسی کے سامنے نہیں کھولی جاتی اور اس کی زیارت کے صرف وہی لوگ مجاز سمجھے جاتے ہیں جو دین کی حیثیت سے کوئی بڑا مرتبہ رکھتے ہوں - اور نہایت ہی معزز ممتاز خیال کئے جاتے ہوں -

کچھ اس صورت ہی پر منحصر نہیں اُن میں ہر مذہبی رسم کے چھپانے کی سخت تاکید ہے مقدس کتاب دروز یا اس صندوق کی نسبت بھی جس میں وہ رکھی ہو - بڑی بڑی احتیاطیں عمل میں لائی جاتی ہیں - بجز مقدس محترم لوگوں کے اور کسی کے گھر میں نہ نہیں سکتی اور نہ اس کی اجازت ہے کہ جس جگہ سے اس سے نکال کے کہیں اور لے جائی جائے - سفید عمامہ باندھنا - ان کے مذہبی رواج یا خیالات کے مطابق صفائی قلب اور خلوص نیت کی دلیل ہے -

ان کے مذہبی رسموں کی نسبت جو غیروں سے چھپا کے اور نہایت رازداری کے ساتھ عمل میں آتی ہیں - لوگوں کو طرح طرح کی بدگمانیاں ہیں جو قومیں اُن کے آس پاس اور گرد و جوار میں رہتی ہیں - اُن کا دعویٰ ہے کہ دروز لوگ ان صحبتوں میں باہم بیٹھ کے سخت بے شرمی کے گناہ اور نہایت ہی معیوب زناکاری میں مبتلا ہوتے ہیں اور انگریزی محققین کو پتہ لگانے سے جو کچھ رائے قائم کرنے کا موقع ملا - وہ یہی ہے

یہ الزام صحیح معلوم ہوتے ہیں اور کچھہ کہا جاتا ہے اصلیت سے خالی نہین -

اگرچہ یہ لوگ دولت عثمانیہ کی قلمرو مین رہتے ہین - مگر جنگل پہاڑون اور اپنے مسکنون مین کسی غیر کے مطیع و فرمانبردار نہین - ایک معمولی خراج سلطنت کو ادا کرکے آزادی کا دم بھرتے ہین - اور اکثر ادنی ادنی موقعون پر بلوہ اور بغاوت کرنے کو تیار ہوجاتے ہین - اونمین ایک قسم کی شخصی حکومت ہے - مختلف سردار اور امیر ہین جن مین باہم لڑائیان ہوتی رہتی ہین - اور وہ سردار بھی صرف اسی وجہ سے سمجھا جاتا ہے کہ اوس کے ذریعہ سے سلطنت کو خراج دیا جاتا ہے ورنہ دراصل اس کی کچھہ نہین چلتی -

دروزکی عورتین بھی مذہبی رازداری کی رسمون مین شریک ہوتی ہین - مگر معاشرت اور تمدنی زندگی مین اون کی کچھہ وقعت نہین - شوہر جب چاہے طلاق دیدے عورت کچھہ نہین کرسکتی - اس رواج کو یہان تک ترقی ہوگئی کہ کوئی عورت شوہر سے باہر جانے کی اجازت مانگے اور شوہر اجازت دیتے وقت " جاؤ " کے ساتھہ یہ لفظ بھی نہ کہدے کہ " اور واپس آؤ " تو زوجہ طلاق بائن عائد ہوجاتی ہے - اور وہ جب تک کسی دوسرے کے نکاح مین جاکے طلاق نہ حاصل کرے اسکی بیوی نہین بن سکتی -

بچون کو پڑھنے لکھنے کی بہت کم تعلیم دی جاتی ہے - مگر ابتدائے عمر ہی سے بوڑھون کے مشورے مین شریک ہوکے صاحب الرائے لوگون مین اوٹھنے بیٹھنے کے اور پولٹیکل اور فوجی مشورے سن سن کے بڑے ہوشیار ہوجاتے ہین - کسی اجنبی شخص کو یہ تماشہ دیکھہ کے حیرت ہوجائے گی کہ دروز کے دس بارہ برس کے لڑکے شام اور دیگر پولٹیکل معاملات صلح و جنگ کے احتمالات کی فوجی لیاقت و قوت اور آنکی انصاف پروری و نا انصافی پر بیٹھے بڑی آزادی سے رائے زنی کررہے ہین - اور مشورے کی

صحبتوں میں چھوٹے بڑے ادنی و اعلی کا امتیاز نہیں ہے۔

ان باتوں کے ساتھ ان لوگوں میں بے تکلفی اور سادہ مزاجی بھی انتہا درجہ کی ہے۔ قوم کا بڑے سے بڑا سردار ایک ادنی کسان کو بھی دسترخوان پر ساتھ بٹھا کے کھانا کھلاتے نہیں ہچکچاتا۔ اور یہی سبب ہے کہ اونھیں مہمانداری کا بھی بہت زیادہ اور غیر معمولی جوش ہے۔ ایسے موقعہ پر وہ جیسی جیسی ضیافتیں دیا کرتے ہیں بے مثل و حیرت خیز ہیں اور سب لوگ معترف ہیں کہ غریب الوطن کی خدمت کرنے میں کوئی ان کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتا یہ بات اونھیں کے ساتھ مخصوص ہے کہ اپنا کھانا مسافروں کو دیدیں اور خود بھوکے رہ جائیں۔

دروز کو یورپ والوں سے خاص عناد ہے اور ان سفید چہرے والوں کے انتہا زیادہ دشمن ہیں۔ ایک انگریزی سیاح کا بیان ہے کہ اون میں پیشین گوئی کے طریقے سے کوئی روایت مشہور ہے۔ کہ کوئی مغربی قوم اونکی آزادی کو غارت کرے گی اور اونکے آرام و آسائش میں فرق ڈال دے گی۔ اس روایت نے اونھیں مغربی مسیحیوں کی طرف سے یہاں تک بدظن کر دیا ہے۔ کہ بات بات پر توہین کرتے ہیں اور کوئی کسی کو خفا ہو کے گالی دینا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ "خدا تجھے ہیٹ پہنائے"

ان لوگوں کے خیالات بالکل مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ یہ چند باتیں بھی بڑی مشکل سے معلوم ہو سکیں وہ اپنے تمام اخلاقی اور مذہبی امور کو اس قدر پوشیدہ رکھتے ہیں۔ کہ اطمینان اور وثوق کے ساتھ کوئی سیاح اونکے حالات کو نہیں بیان کر سکتا۔ خود عثمانی سلطنت باوجود فرمان فرمائی کرنے کے ان کے قومی خصائص اور معاشرت سے بالکل ناواقف ہے۔

سترھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں جسے کچھ کم سو برس کا زمانہ ہوا یورپ والوں کو ارض شام کے پہاڑوں میں اس بہادر و خود سر قوم اور اس کے مذہب کا پتہ لگا۔ یورپ

میں یکایک مشہور ہوا۔ کہ یہ لوگ محمد صلعم کے دین میں نہیں شامل ہیں۔ جس سے
فوراً یقین کر لیا گیا مسلمان نہیں ہیں تو خواہ مخواہ عیسائی ہوں گے یورپ کے عیسائی
جو دولت عثمانیہ کی دشمنی و عداوت پر بڑے جوش و خروش سے آمادہ رہتے ہیں۔ اور فتنہ
پردازی کے موقع ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ فوراً اسبات پر مستعد ہو گئے کہ جس طرح جناب
معاویہ نے باوجود ناجائز ہونے کے ملکی ضرورت سے زیاد کو اپنے نسب میں شریک
کر لیا تھا۔ اسی طرح اُن لوگوں کو اپنا مذہبی بھائی بنا کے ترکوں کے قلمرو میں مخالفت
اور جھگڑوں کی آگ بھڑکائیں۔ یورپ میں اس خیال کا پھیلنا تھا کہ مسیحیت کی
ہمراہ ان لوگوں میں ڈھونڈھی جانے لگی۔ لغت کی کتابیں کھل گئیں اور دروز یورپ
کے ناموں اور لفظوں میں ڈھونڈھا جانے لگا۔ ایک صاحب نے ارشاد فرمایا کہ
یہ لوگ کونٹ آف درو کے پیرو ہیں اور بغیر تاریخی شہادت بہم پہونچائے فرض
کر لیا گیا کہ اس نام کا کوئی کونٹ پہلے صلیبی مجاہدوں کے ساتھ ارض مقدس میں
آ کے ٹھہر گیا تھا۔ ایک اور صاحب نے گل افشانی کی کہ دروز لوگ نارمن لوگوں
کی نسل سے ہیں۔ جو پہلے جرمن میں آباد تھے۔

اسی طرح اور بھی مختلف رائیں قائم کی گئیں خلاصہ یہ کہ اسی قسم کی غلطیاں
ہونا شروع ہوئیں جو ایک عرصہ دراز تک اہل یورپ کو خوش کرتی ہیں۔ مگر مدت کے
بعد یکایک معلوم ہوا کہ دروز کو عیسائیوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اصل میں یہ
مسلمانوں ہی کا ایک بگڑا ہوا سرکش فرقہ ہے اور ساری مسلمانوں سے زیادہ
عیسائیوں کا دشمن ہے۔

ہم نے دروز کے حالات کو اس موقع پر زیادہ طول دے دیا۔ اور غالباً بعض
لوگ اعتراض بھی کریں گے۔ کہ حسن بن صباح کے حالات میں ایک غیر متعلق بحث کو
[illegible] بسط کی کیا ضرورت تھی۔ مگر ہندوستان کے مسلمانوں کو

دروزر کا حال ابھی چند ہی روز ہوئے معلوم ہوا ہے۔ اور لوگ اُن کے حالات دریافت کرنے کے بہت مشتاق ہیں۔ لہٰذا ان کا تذکرہ ضرورتوں کے لحاظ سے چاہے بےموقع ہو مگر اُمید ہے کہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

دروزر کے حالات سے لوگ اندازہ کر سکے ہونگے۔ کہ خلفائے بنی فاطمہ مصر کے تعلق کے لحاظ سے چاہے۔ ان کو بھی اسماعیلیوں کا ایک فرقہ کہہ دیا جائے۔ مگر اس مذہب اور اس اُصول و عقائد کے بانیوں نے آزادی کو یہاں تک دخل دے دیا کہ دراصل وہ ایک حد تک اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔ منصوصات سے انکار کرنا خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر لینا۔ اور سب پر غضب یہ اصحاب رسول خدا صلعم پر طعن و تشنیع کر کے زبان کو ناپاک کرنا ایسی باتیں نہیں کہ اسلام کا کوئی مفتی بھی اُن کے حق میں کفر کا فتویٰ دینے اور اسلام سے خارج کرتے میں ذرا بھی تامل کرے مگر باطنیوں کے اصلی جانشین اور حقیقی پیرو یہ سویدانی و خضروی ہیں یہ دونوں حضرت علی میں ایک شان الوہیت تسلیم کرتے ہیں۔ ارکان مذہب کی طرف سے وہ بھی اسقدر بےپرواہ ہیں کہ مسجدیں تو جانتے ہی نہیں۔ سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ حضرت علی کی قبر کی زیارت کے لئے نجف اشرف میں جاتے جو عراق عرب میں شہر بغداد سے چار پانچ دن کی راہ پر ہے۔ اور جیسے ان اسماعیلیوں نے اپنی سب سے بڑی زیارت گاہ بنا لیا۔ مکہ معظمہ کے قریب کسی اور مزار کی زیارت کو بھی جاتے ہیں۔ مگر اس طرح چھپ چھپ کر کسی کو خبر بھی نہ ہونے پائی۔ کہ کہاں اور کس جگہ اور کس کی قبر ہے۔

خضرلیوں کا شمار سویدانیوں سے بہت زیادہ ہے۔ انکا مستقر قدیم شہر سیاہ ہے جہاں باطنیوں کا پرانا قلعہ تھا۔ یہ شہر شہر حماہ سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ خضرویوں کا امیر بھی سیاہ میں رہتا تھا۔ اور وہیں اُن کا حرم اور اس سے [illegible] کا پتہ لگا ہوتا